ہر قسم کے بیمے اور
انشورنس کے احکام
قرآن و سنت کی
روشنی میں

بیمہ زندگی

مرتبہ

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مصدقہ

مجلس تحقیق مسائل حاضرہ

دار الاشاعت

اردو بازار کراچی ۱ ـــــ فون ۲۶۳۱۸۶۱

انشورنس کی مختلف صورتوں کے احکام
قرآن وسنت کی روشنی میں

مؤلفہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ
مولانا ولی حسن صاحب مفتی مدرسہ عربی نیو ٹاؤن

مصدقہ

مجلس تحقیق مسائل حاضرہ

***

ناشر

دار الاشاعت

مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱

عرض ناشر

بیمہ (انشورنس) کا رواج دنیا میں عام ہو چکا ہے۔ اس کی ابتدا کسی زمانہ میں امداد باہمی کے اصول پر ہوئی تھی۔ اب وہ رفتہ رفتہ ایک کاروبار بن گیا ہے۔ جس کی بنیاد سود و قمار (جوئے) پر ہے۔ جس کا اسلام میں حرام ہونا ہر مسلمان جانتا ہے مگر اس کاروبار والوں نے اس کو امداد باہمی کا نام دے کر عوام کے لئے بلکہ حقیقت سے ناواقف اہل علم کے لئے ایک مغالطہ بنا رکھا ہے۔ علماء کراچی کی

مجلس تحقیق مسائل حاضرہ

جو اسی قسم کے جدید مسائل کی تحقیق کیلئے قائم ہے جس کے ارکان مندرجہ ذیل ہیں۔

سرپرست	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ
سرپرست	حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب مدظلہ
ارکان	مولانا رشید احمد صاحب مہتمم دارالافتاء والارشاد کراچی
"	مولانا ولی حسن صاحب مفتی مدرسہ نیوٹاؤن۔ کراچی
"	مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری استاذ دارالعلوم کراچی
"	مولانا محمد رفیع عثمانی استاذ دارالعلوم کراچی
"	مولانا محمد تقی عثمانی استاذ و مدیر البلاغ دارالعلوم کراچی

اس مجلس نے متعدد رسائل بحث و تمحیص کے بعد شائع کئے ہیں۔ بیمۂ زندگی کا مسئلہ بھی ان کے زیر غور تھا مگر لکھنؤ کی مجلس تحقیقات شرعیہ نے اس مسئلہ میں سبقت کی اور ایک سوالنامہ مرتب کر کے شائع کیا اس سوالنامہ کا ایک جواب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ نے اور دوسرا مفتی ولی حسن صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ مجلس نے ان فتاویٰ کو بغور دیکھا اور ان سے اتفاق کیا۔ یہ رسالہ مجلس ہی کی طرف سے پہلی بار شائع ہوا تھا۔ اب دوسری مرتبہ دارالاشاعت کراچی کے زیر اہتمام یہ کتاب شائع کی جا رہی ہے۔

بندہ　　محمد رضی عثمانی　　۳۰ اگست ۱۹۷۰ء

فہرست مضامین بیمۂ زندگی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوالنامہ متعلق انشورنس

منجانب مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی کنوینر مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنؤ

تمہید

حامداً ومصلیاً

(۱) بیمہ کی حقیقت "بیمہ" انگریزی لفظ "انشور" (INSURE) کا ترجمہ ہے جس کے معنی لغتہً یقین دہانی کے ہیں، چونکہ کمپنی بیمہ کرانے والے کو مستقبل کے بعض خطرات سے حفاظت اور بعض نقصانات کی تلافی کی یقین دہانی کر دیتی ہے۔ اس لیے اسے انشورنس کمپنی کہتے ہیں۔ یہ ایک معاملہ ہے جو بیمہ کے طالب اور بیمہ کمپنی کے درمیان ہوتا ہے اور اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی (جس میں بہت سے سرمایہ دار شریک ہوتے ہیں اسی طرح جس طرح تجارتی کمپنیاں ہوتی ہیں) بیمہ کے طالب سے ایک معینہ رقم بالاقساط وصول کرتی رہتی ہے۔ اور ایک معینہ مدت کے بعد وہ رقم اسے یا اس کے پس ماندگان کو (حسب شرائط) واپس کر دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک مقررہ شرح فیصد کے حساب سے اصل رقم کے ساتھ کچھ مزید رقم بطور سود دیتی ہے۔ گو اس رقم کا نام ان کی اصطلاح میں ربوا یا سود نہیں بلکہ بونس یعنے منافع ہے۔

۲۔ کمپنی کا مقصد اس رقم کے جمع کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ اسے دوسرے لوگوں کو بطور قرض دیگران سے اعلیٰ شرح پر سود حاصل کرے یا کسی تجارت میں لگا کر یا کوئی جائداد خرید کر اس سے منافع حاصل کرے، اس کے شرکاء اپنی ذاتی رقم خرچ کئے بغیر کثیر رقم بصورت سود یا منافع حاصل کرتے ہیں، اور اسی سود یا منافع میں سے بیمہ دار کو ایک حصہ دیتے ہیں۔

ممکن ہے کسی درجہ میں ان لوگوں کا مقصد مصیبت زدہ یا پریشان حال افراد کی امداد بھی ہو لیکن اصل مقصد وہی ہوتا ہے جو اوپر عرض کیا گیا ہے مگر اس کی بحث بے ضرورت ہے اس لئے کہ اس کا کوئی اثر نفس مسئلہ پر نہیں پڑتا ہے۔ بیمہ کرانیوالے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا سرمایہ محفوظ رہے اور اس میں اضافہ بھی ہو اس کے علاوہ اس کے پس ماندگان کو امداد و اعانت حاصل ہو۔ یا ناگہانی حادثات کی صورت میں اس کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔

۳۔ بیمہ کی تین قسمیں ہیں۔

(الف) زندگی کا بیمہ (ب) املاک کا بیمہ (ج) ذمہ داری کا بیمہ

الف۔ زندگی کا بیمہ اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی اپنے ڈاکٹر کے ذریعہ سے بیمہ کے طالب کا معائنہ کراتی ہے اور ڈاکٹر اس کی جسمانی حالت دیکھ کر اندازہ کرتا ہے کہ اگر کوئی ناگہانی آفت پیش نہ آئی تو یہ شخص اتنے سال مثلاً بیس سال زندہ رہ سکتا ہے۔ ڈاکٹر کی رپورٹ پر کمپنی بیس سال کیلئے اس کی زندگی کا بیمہ کرلیتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بیمہ کے لئے ایک رقم مابین طالب و کمپنی مقرر ہو جاتی ہے جو بالاقساط بیمہ دار کمپنی کو ادا کرتا ہے اور ایک معینہ مدت میں جب وہ پوری رقم ادا کر دیتا ہے۔ تو بیمہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد اگر بیمہ دار اتنی مدت کے بعد انتقال کر جاتا ہے جس کا اندازہ کمپنی کے ڈاکٹر نے کیا تھا تو کمپنی اس کے پسماندگان میں سے جسے وہ نامزد کر دے یا اگر نامزد نہ کرے تو اس کے قانونی ورثاء کو وہ جمع شدہ رقم مع کچھ مزید کے جس کو بونس (BONUS۔) کہتے ہیں، یکمشت ادا کر دیتی ہے۔

اور اگر وہ مدت مذکورہ سے پہلے مرجائے خواہ طبعی موت سے یا کسی حادثہ وغیرہ سے تو بھی کمپنی اس کے پس ماندگان کو حسب تفصیل مذکور پوری رقم مع کچھ زائد رقم کے ادا کرتی ہے مگر اس صورت میں شرح منافع زائد ہوتی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ شخص مدت مذکورہ کے بعد بھی زندہ رہے، اس شکل

میں بھی اسے رقم مع منافع واپس ملتی ہے۔ مگر شرحِ منافع کم ہوتی ہے، زندگی کا بیمہ تو پورے جسم کا بیمہ ہوتا ہے۔ لیکن اب انفرادی طور پر مختلف اعضاء کے بیمہ کا رواج بھی بکثرت ہو گیا ہے۔ مثلاً ہاتھوں کا بیمہ، سر کا بیمہ، ٹانگوں کا بیمہ وغیرہ۔ اس کی شکل بھی وہی ہوتی ہے، فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ ان شکلوں میں ڈاکٹر کسی ایک عضو کی زندگی یا کارکردگی کا اندازہ لگاتا ہے اس کے اندازہ پر بقیہ معاملہ اسی طرح ہوتا ہے جس طرح زندگی کے بیمہ کی صورت میں۔ اور واپسی رقم مع منافع کی شکلیں وہی تین ہیں۔ البتہ یہاں پورے جسم کی مدت کے قائمقام صرف ایک حصہ جسم کی مدت یا اس کے ناکارہ ہونے کو قرار دیا ہے۔

(ب) املاک کا بیمہ

عمارت، کارخانہ، موٹر، جہاز وغیرہ ہر چیز کے بیمے کا رواج اب ہو گیا ہے۔ اس کی شکل بھی وہی ہوتی ہے، یعنی بیمہ دار ایک معینہ مدت کے لئے ایک رقم بالاقساط ادا کرتا ہے۔ اور کمپنی ایک معینہ مدت کے بعد اسے وہ رقم مع کچھ زائد رقم کے واپس کرتی ہے اور اگر کسی حادثہ کی وجہ سے بیمہ شدہ املاک تلف ہو جائے، مثلاً کارخانہ میں یکایک آگ لگ جائے یا جہاز غرق ہو جائے یا موٹر کسی حادثہ میں ٹوٹ جائے تو کمپنی اس نقصان کی تلافی کرتی ہے اور اصل رقم کے ساتھ کچھ مزید رقم زیادہ شرح فیصد کے حساب سے بیمہ کرانے والے کو دیتی ہے۔

(ج) ذمہ داریوں کا بیمہ

اس میں بچہ کی تعلیم، شادی وغیرہ کا بیمہ ہوتا ہے کمپنی ان کاموں کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ رقم وغیرہ کی ادائیگی اور وصولی کی صورتیں وہی ہوتی ہیں۔

۴۔ بیمہ کرانے والے کو ایک معینہ رقم بصورت اقساط ادا کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اگر چند ماہ (حسب قواعد و شرائط) اقساط ادا کرنے کے بعد بیمہ دار رقم کی ادائیگی بند کر دے تو اس کی ادا کی ہوئی رقم سوخت ہو جاتی ہے اور واپس نہیں ملتی۔ لیکن اسے اختیار ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے درمیان کے بقایا اقساط ادا کر کے حسب سابق اقساط جاری

کرالے، بقایا اقساط نہ ادا کرنے کی صورت میں بھی بعض قواعد کے ماتحت اقساط کا سلسلہ دوبارہ جاری ہو سکتا ہے، لیکن اگر وہ سلسلہ منقطع کر کے جمع شدہ رقم واپس لینا چاہے تو ایسا نہیں کر سکتا۔

۵۔ بیمہ دار اگر سود نہ لینا چاہے تو کمپنی اسے اس پر مجبور نہیں کرتی اور حسب شرائط اس کو اصل رقم واپس کرتی ہے۔

۶۔ بیمہ دار دو سال تک قسط ادا کرنے کے بعد کم شرح سود پر قرض لینے کا مجاز ہو جاتا ہے۔

۷۔ ہندوستان میں زندگی کے بیمہ کے متعلق حکومت نے ایک قانون بنایا ہے۔ جس کی رو سے بیمہ کی یہ قسم نجی کمپنیوں کے ہاتھ سے نکل کر خود حکومت کے ہاتھ میں آگئی ہے اور اب کسی نجی کمپنی کے بجائے یہ معاملہ بیمہ دار حکومت کے درمیان ہوتا ہے بظاہر حالات سے ایسا نظر آتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد یہ پورا کاروبار نیشنلائز کر لیا جائے گا اور نجی کمپنیاں ختم کر کے حکومت خود یہ معاملہ کریگی۔

خلاصہ

بیمہ کی یہ مختلف شکلیں ہیں۔ لیکن ان سب کی حیثیت وہی ہے جو سب سے پہلے عرض کی جاچکی ہے، یہاں اختصار کیساتھ مکرر پیش کیا جاتا ہے۔

حقیقت کے لحاظ سے انشورنس کا معاملہ ایک سودی کاروبار ہے جو بینک کے کاروبار کے مثل ہے دونوں میں جو فرق ہے وہ شکل کا ہے، حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، حقیقت میں اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ اس میں ربوا کے ساتھ "غرر" بھی پایا جاتا ہے۔

بیمہ کرانے والا کمپنی کو روپیہ قرض دیتا ہے اور کمپنی اس رقم سے سودی کاروبار یا تجارت وغیرہ کر کے نفع حاصل کرتی ہے اور اس نفع میں سے بیمہ کرانے والے کو بھی کچھ رقم بطور سود ادا کرتی ہے۔ جس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس منفعت کے لالچ میں زیادہ سے زیادہ بیمہ کرائیں، بینک بھی یہی کرتے ہیں، البتہ اس میں شرح

سود مختلف حالات وشرائط کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے۔ بینک میں عموماً ایسا نہیں ہوتا

بیمہ کے مصالح اور مفاسد

دنیاوی نقطۂ نظر سے بیمہ پالیسی خریدنے میں کیا مصلحتیں ہیں اور کیا مفاسد ہیں۔ ان کا تذکرہ درج ذیل ہے تاکہ حضرات اہل علم ان پر نظر فرما کر فیصلہ فرما سکیں، اس لئے یہاں صرف انہیں دنیاوی مصالح ومفاسد کا تذکرہ ہے جو فی نفسہ کسی نہ کسی درجہ میں شرعاً بھی معتد بہ ہیں۔ جو مصالح ومفاسد شرعاً غیر معتد بہ ہیں۔ ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے مثلاً اسی دنیاوی مصلحت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے کہ اسی طرح خریدار کو سود ملتا ہے اور اس کی اصل رقم میں بغیر محنت اضافہ ہوتا ہے اس لئے کہ یہ مصلحت شرعاً غیر معتد بہ ہے۔ بلکہ مصلحت کے بجائے مفسدہ ہے۔ اس طرح اس مفسدہ کو بھی نظر انداز کیا گیا ہے کہ قلیل آمدنی والے افراد جب پالیسی خریدنے کے لئے کچھ رقم پس انداز کریں گے۔ تو تحسینات میں کمی کرنے پر مجبور ہوں گے۔ اور بعض جائز لذتوں سے محروم رہیں گے۔ اس لئے کہ یہ شرعاً مفسدہ غیر معتد بہ ہے۔

بیمہ کے مصالح

ناگہانی حوادثات کی صورت میں بیمہ دار تباہی و بربادی سے بچ جاتا ہے۔ مثلاً

۱۔ ہندو مسلم فساد میں بہت سے مسلمانوں کے کارخانے خاک سیاہ اور تباہ وبرباد کر دیئے گئے۔ جن لوگوں نے اپنے کارخانوں کا بیمہ کرالیا تھا۔ وہ تباہی سے بچ گئے اور انہوں نے دوبارہ اپنا کاروبار جاری کر دیا۔ لیکن جنہوں نے بیمہ نہیں کرایا تھا۔ وہ پورے طور پر برباد ہو گئے۔ پنپ نہ سکے، دوکانوں اور مکانوں وغیرہ کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔

(نوٹ) فسادات ہندوستان کا روزمرہ بن چکے اور ان کا انسداد مسلمانوں کی استطاعت سے باہر ہے۔

۲۔ اوسط طبقہ کے افراد جو کثیر العیال بھی ہوں، اگر ناگہانی طریقہ سے وفات پا جائیں تو ان کے پسماندگان سخت پریشانی میں پڑتے ہیں۔ اپنی قلیل آمدنی میں عموماً

وہ کوئی رقم پس انداز کر کے نہیں رکھ سکتے جو ان کے پسماندگان کے کام آسکے۔ ایسی حالت میں اگر وہ بیمہ پالیسی خرید لیں تو ایک طرف تو انہیں پس اندازی میں سہولت ہوتی ہے۔ دوسرے ان کی ناگہانی وفات پر ان کی پس انداز رقم مع مزید رقم کے اُن کے پسماندگان کو مل جاتی ہے۔ جو ان کے لئے بہت مفید اور معاون ہوتی ہے

تعلیم وغیرہ کی صورت میں تو یہ مصلحت اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے، اسلئے اگر وہ اپنی اولاد کو مناسب تعلیم دلانے سے قبل وفات پاجائیں تو اولاد کا سلسلہ تعلیم منقطع نہیں ہوتا اور کسی نہ کسی دن اولاد اس قابل ہو جاتی ہے کہ کچھ کما سکے۔

۳۔ اگر اولاد ناہنجار ہو باپ کے مرنے کے بعد ماں کی طرف سے غفلت برتتی ہے اور اس کا شرعی حق نظر انداز کر کے باپ کی کل جائداد و املاک پر قابض ہو جاتی ہے، اس صورت میں اگر شوہر بیمہ کی پالیسی خرید کر اپنی بیوی کو اس کا وارث قرار دیدے تو یہ رقم بیوہ کو بے خرخشہ مل جاتی ہے۔

اگر اولاد کے درمیان تحاسد و تباغض ہو۔ یا بعض بچے چھوٹے ہوں۔ اولاد سے خطرہ ہو کہ حقوق کو غصب کرلیں گے۔ تو بھی ان کے نام سے بیمہ پالیسی خرید لینا مفید ہو سکتا ہے۔

۴۔ چونکہ کمپنیاں عموماً اہل ہنود کی ہیں۔ اس لئے بیمہ پالیسی خریدنا فسادی کی تباہ کاریوں کو روکنے کا بھی ایک ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ فسادی یہ معلوم کر کے کہ مسلمان کی بیمہ شدہ مملوکہ شئ کو نقصان پہنچانا خود ہندوؤں کو نقصان پہنچانا ہے، شاید اس نقصان پہنچانے سے باز رہیں۔ اس طرح ممکن ہے کہ کسی درجہ میں یہ حفاظت جان کا ذریعہ بھی بن سکے۔

(نوٹ) اب سے دو چار صدی پیشتر مسلمانوں کے حالات مختلف تھے۔ اوّل تو ناگہانی حادثات کی اتنی کثرت نہیں تھی جو آج مشین کے رواج کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے دوسرے بکثرت مسلمان اسلامی حکومتوں میں رہتے تھے جہاں بیت المال بڑی حد تک ان حوادث کے نتائج سے پناہ دیتا تھا۔ تیسرے مصارف

زندگی کا اتنا بوجھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ چوتھے آپس کی ہمدردی کا جذبہ اتنا سرد نہیں ہوا تھا۔ جتنا آج ہو گیا ہے۔ پانچویں تعداد کی قلت اور قوم کی بحیثیت مجموعی دولت مندی زکوٰۃ و صدقات کا رواج یہ سب امور مل کر اس قسم کے نقصانات کی تلافی کر دیا کرتے تھے۔ اب ان سب چیزوں کا تقریباً فقدان ہے۔ آبادی میں اضافہ مزید پریشانی کا باعث ہے۔ سو میں ایک کی تباہ حالی دور کرنا۔ آسان ہے مگر سو میں ۵ ۲ کے ساتھ مواسات کرنا بہت مشکل ہے۔

بیمہ کے مفاسد

واضح رہے کہ یہاں صرف دنیاوی مفاسد کا تذکرہ مقصود ہے جن کی طرف بعض اوقات بعض اہل علم کی نظر نہیں جاتی، دینی مفاسد سے چونکہ ہر صاحب علم واقف ہیں۔ اس لئے ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

۱۔ ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں کہ کسی وارث نے بیمہ کی رقم وصول کرنے کیلئے مورث کو (جو کہ بیمہ دار تھا) قتل کروا دیا۔

۲۔ اس قسم کے واقعات بھی پیش آتے ہیں کہ بیمہ دار نے دھوکہ دیکر اپنی دوکان یا اپنے مکان یا کسی اور چیز کی مالیت زیادہ ظاہر کر دی اور اس کا بیمہ کرا دیا اور کچھ عرصہ کے بعد سود کی رقم (جو اس کی مملوکہ شے کی مالیت سے معتد بہ حد تک زائد تھی) وصول کرنے کے لئے اس شئی کو مخفی طریقہ سے خود تلف کر دیا۔ مثلاً آگ لگا دی یا اور اسی قسم کی حرکت کی اور اس طرح نقصان کی تلافی کے ساتھ مزید نفع بھی اٹھایا۔

اس قسم کے واقعات کی تعداد اگرچہ قلیل ہے مگر نہ تو بعید از قیاس ہے اور نہ النادر کالمعدوم کہے جا سکتے ہیں۔

۳۔ تجربات شاہد ہیں کہ جو دولت بے مشقت اور بے محنت ہاتھ آ جاتی ہے آدمی اسے بہت بیدردی کے ساتھ خرچ کرتا ہے، نوجوان اولاد کو اگر باپ کے بعد بیمہ کی رقم بغیر محنت و کوشش ملے گی تو ظن غالب یہی ہے کہ وہ اسے بیدریغ صرف کرے گی، اسراف و تبذیر کی عادت فی نفسہ مذموم ہونے کے علاوہ افلاس و تباہی کا

پیش خیمہ ہے۔ جو اخلاقی خرابیاں ایسی صورت میں پیدا ہوتی ہیں ان کی تفصیل بے ضرورت ہے۔

۴۔ یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ بیمہ پالیسی کی خریداری میں سرمایہ دار طبقہ ہی پیش پیش ہو سکتا ہے سود کی رقم اس کی دولت میں اور اضافہ کرے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ سرمایہ داری کو مزید ترقی ہوگی۔

ان تمہیدی امور کے عرض کرنے کے بعد حضرات علماء کرام سے درخواست ہے کہ "انشورنس" کے متعلق مندرجہ بالا حقیقت اور اس کے مصالح و مفاسد کو پیش نظر رکھ کر شریعت مقدسہ اسلامیہ کی روشنی میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات عنایت فرمائیں، ضروری استدعا یہ ہے کہ براہ کرم جوابات مدلل اور واضح عنایت فرمائیں۔

بیمہ کے متعلق چند ضروری سوالات

۱۔ انشورنس کی جو حقیقت اوپر عرض کی گئی ہے۔ اس میں کمپنی جو رقم بطور سود دیتی ہے جس کا نام وہ اپنی اصطلاح میں منافع رکھتی ہے۔ شریعت کا اصطلاحی ربوا ہے یا نہیں؟

۲۔ اگر سود مذکور شرعی اصطلاح میں ربوا ہے تو کیا مصالح مذکورہ کے پیش نظر اس کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟ اگر نکل سکتا ہے تو کیسے؟

۳۔ زندگی کے بیمہ، املاک کے بیمہ، ذمہ داری کے بیمہ کے درمیان شرعاً کوئی فرق ہوگا۔ یا تینوں کا حکم ایک ہی ہوگا؟

۴۔ معاملہ کی یہ شرط کہ اگر بیمہ شدہ شخص یا شئے وقت معین سے پہلے تلف ہو جائے تو اتنی رقم ملے گی اور اس کے بعد تلف ہوئی تو اتنی جب کہ تلف ہونے کے وقت کا تعین غیر ممکن ہے اس معاملہ کو قمار کے حدود میں تو نہیں داخل کر دیتی ہے؟

۵۔ اگر یہ قمار یا غرر ہے تو کیا مصالح مذکورہ کے پیش نظر اسے نظر انداز کر کے اس معاملہ کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے اور اگر نکل سکتی ہے تو کیسے؟

۶۔ اگر بیمہ دار مندرجہ اقسام بیمہ سے کسی میں سود لینے سے بالکل محترز رہے اور اپنی اصل رقم کی صرف واپسی چاہتا ہو تو کیا یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے؟

۷۔ جو رقم کمپنی بطور سود ادا کرتی ہے، اسے ربوا کے بجائے اس کی جانب سے اعانت وامداد اور تبرع واحسان قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(نوٹ) بعض کمپنیوں کے ایجنٹ اس کا مقصد امداد ہی ظاہر کرتے ہیں۔

۸۔ اگر کوئی مسلمان کسی دارالحرب کا باشندہ ہو (مستامن نہیں) اور کمپنی حربیوں ہی کی ہو تو کیا اس صورت میں یہ معاملہ مسلمانوں کے لئے جائز ہوگا؟

۹۔ اس صورت میں جب کہ انشورنس کاروبار خود حکومت کر رہی ہو، اور اس صورت میں جب کہ یہ کاروبار نجی کمپنیاں کر رہی ہوں، کوئی فرق ہے یا نہیں؟

۱۰۔ اگر یہ کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہو تو کیا اس بنیاد پر کہ خزانۂ حکومت میں رعیت کے ہر فرد کا حق ہوتا ہے۔ زیر بحث معاملہ میں سود کی رقم عطیہ حکومت قرار پاکر "ربوا" کے حدود سے خارج ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا اس صورت میں یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے؟

۱۱۔ فرض کیجئے بیمہ کا کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہے، ایک شخص بیمہ پالیسی خریدتا ہے اور میعاد معین کے بعد اصل مع سود کے وصول کرتا ہے لیکن۔

(الف) سود کی کل رقم بصورت ٹیکس وچندہ خود حکومت کو دیتا ہے۔

(ب) ایسے کاموں میں لگا دیتا ہے جن کا انجام دینا خود حکومت کے ذمہ ہوتا ہے مگر وہ لاپروائی یا کسی دشواری کی وجہ سے انہیں انجام نہیں دیتی، مثلاً کسی جگہ پل یا راستہ بنوانا کسی تعلیمی ادارے کو امداد دینا، کنواں کھدوانا، یا نل لگوا دینا وغیرہ جہاں یہ امور قانوناً حکومت کے ذمہ ہوں۔

(ج) ایسے کاموں میں صرف کرتا ہے جو قانوناً حکومت کے ذمہ نہیں ہوتے مگر عام طور پر رعایا ان کے بارے حکومت کی امداد چاہتی ہے، اور حکومت بھی ان کی اس خواہش کو مذموم نہیں سمجھتی، بلکہ بعض اوقات امداد کرتی ہے۔ مثلاً کسی جگہ کتب خانہ

کھول دینا وغیرہ ،

توکیا مندرجہ بالا صورتوں میں اس شخص کے لئے بیمہ پالیسی کی خریداری جائز ہو گی اور ربوا لینے کا گناہ تو نہ ہوگا ؟

(نوٹ) مندرجہ بالا تینوں صورتوں (الف - ب - ج) کے احکام میں اگر فرق ہے تو اُسے واضح فرمایا جائے ۔

۱۲ ۔ بیمہ دار اگر سود کی رقم بغیر نیت ثواب کے کسی دوسرے شخص کو امداد کے طور پر دیدیتا ہے توکیا اس صورت میں انشورنس کا معاملہ جائز ہوگا ۔

اگر انشورنس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے توکیا مصالح وحاجات مذکورہ کو سامنے رکھ کر ۔

(الف) اس کا کوئی بدل ہوسکتا ہے جس میں مصالح مذکورہ موجود ہوں ، اور اس پر عمل کرنے سے ارتکاب معصیت لازم نہ آئے ، اگر ہوسکتا ہے توکیا ؟

یا

(ب) انشورنس کی مروجہ شکل میں کیا کوئی ایسی ترمیم کی جاسکتی ہے ، جو اسے معصیت کے دائرے سے خارج کر دے اور مصالح مذکورہ کو فوت نہ کرے ۔ اگر ہو سکتی ہے توکیا ؟

احقر

محمد اسحاق سندیلوی عفی عنہ کنوینر

۱۹ - اکتوبر ۱۹۶۴ء

جواب سوالنامہ مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی پاکستان صدر دارالعلوم کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائیں وقت کے اہم مسئلہ کی طرف آپ نے توجہ فرمائی۔ اور جواب دینے والے کے لئے معاملہ کی نوعیت سمجھنے کی مشکل حل کردی۔ آج کل جدید قسم کے معاملات جو عام طور پر کاروباری زندگی اور معاشرہ میں رواج پاگئے ہیں اُن کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ کرنے میں اہل علم کے لئے ایک بڑی دشواری یہ بھی پیش آتی ہے کہ ایک طرف ان معاملات کے کرنے والے شرعی اصطلاحات سے واقف نہیں ہوتے کہ معاملہ کی صحیح نوعیت بیان کرسکیں دوسری طرف جواب دینے والے اہل فتویٰ عموماً ان معاملات کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے اور ان کی واقفیت حاصل کرنا بھی ان کے لئے آسان نہیں ہوتا۔

عرصہ دراز ہوا کہ احقر سے ایک بیمہ کمپنی کے کسی ایجنٹ نے بیمہ کے جواز وعدم جواز کا سوال کیا اُن کے پیش نظر تو صرف اتنا تھا کہ میری طرف سے کوئی حرفِ جواز ہاتھ آجائے تو وہ اسے مسلمانوں کو بیمہ کرانے کی ترغیب کا اشتہار اور اپنے کاروبار کی ترقی کا ذریعہ بنائیں۔ جیساکہ اُن کی دی ہوئی ایک کتاب میں دوسرے بہت سے علماء کے ایسے ہی کلمات کو بطور اشتہار انہوں نے استعمال کیا ہوا تھا اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرکے جو عبارت لکھی ہوئی تھی اس میں درمیان سے ایک پوری سطر کاٹ کر نقطے لگائے ہوئے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس سطر میں مفتی صاحب موصوف نے کمپنی کی منشا کیخلاف کوئی بات لکھی تھی اس لئے اس کو درمیان سے حذف کردیا گیا ہے۔ مگر دیانت

کا اتنا پہلو بھی غنیمت نظر آیا کہ درمیان سے ایک سطر کی خالی جگہ میں نقطے لگا کر اتنا بتلا دیا تھا۔ کہ مفتی صاحب کی عبارت مسلسل نہیں ہے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد دیکھا کہ ؎ بگولے اس لئے منڈلا رہے ہیں میرے مدفن پر

کہ یہ دھبہ بھی کیوں باقی رہے صحرا کے دامن پر

رفتہ رفتہ دیانت کا یہ ہلکا سا اثر بھی ختم ہوا۔ اور اب جو پمفلٹ شائع ہوئے اُن میں عبارت کو مسلسل کر کے چھاپ دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

احقر نے اس طرز عمل کو دیکھنے کے بعد احتیاط ضروری سمجھی اور ان سے عرض کیا کہ آپ بیمہ کے مکمل قواعد وضوابط مجھے دیں میں اُن کو دیکھ کر کوئی جواب دونگا۔ اس پر جو کاغذات انہوں نے میرے لئے مہیا کئے وہ صرف بیمہ زندگی سے متعلق تھے۔ اُن کو دیکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ بیمہ زندگی میں شرعی حیثیت سے تین مفاسد ہیں۔ اول سود دوسرا قمار تیسرا معاہدہ کی بعض شرائط فاسدہ۔ اس لئے بصورت موجودہ اس کے جواز کی کوئی وجہ نہ تھی۔ احقر نے ان کو ایک مسودہ ترمیم کا لکھ کر دیا جس کے ذریعہ یہ کاروبار بغیر کسی قسم کے نقصان کے حرام وگناہ سے نکل جائے انہوں نے ترمیم منظور کرا کر جاری کرنے کا وعدہ بھی کیا تھا مگر پھر اس کا کوئی اثر بیمہ کمپنی کے معاملات میں نظر نہ آیا شاید وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔

احقر نے بارہا ارادہ کیا کہ کم از کم مسئلہ کی حیثیت اور ترمیم کی صورت کو شائع کر دیا جائے۔ مگر اول تو اس پر مکمل اطمینان نہیں تھا کہ معاملہ کی نوعیت جو ان کاغذات کے مطالعہ سے میں نے سمجھی اور صحیح قرار دی ہے۔ اس میں کوئی غلطی نہیں۔ دوسرے بیمہ کی دوسری اقسام کو جمع کرنے اور اس کے مکمل احکام بیان کرنے کا داعیہ بھی تھا جس کے نتیجہ میں آج تک یہ ارادہ، ارادہ ہی رہا عملی صورت اختیار نہ کر سکا پھر مشاغل وذواہل نے فرصت نہ دی اور روز بروز قوی کے انحطاط اور ضعف نے ارادہ کو بھی اسی نسبت سے ضعیف کر دیا۔ جناب کے مرسلہ سوالنامہ نے معاملہ کی نوعیت کو پوری طرح واشگاف بیان کر دیا۔ اور اس کی تمام اقسام کو بھی واضح انداز میں فرکر

کر کے کچھ لکھنے کی ہمت پیدا کر دی بخصوصًا اس لئے کہ اب یہ میرا جواب کوئی آخری فیصلہ نہیں. دوسرے علما کے سامنے پیش ہو کر اس کی اصلاح بھی ہو سکے گی۔ واما اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اسال السداد والصوابُ الیہ المرجع والمآب۔

ایک استدعا اگر رائج الوقت معاملات جدیدہ کے متعلق اسیطرح معاملہ کی پوری تحقیق اہل معاملہ سے معلوم کر کے سوال نامے مرتب کر لئے جائیں تو سمجھتا ہوں کہ مجلس تحقیقات کا یہ بھی بڑا کارنامہ ہوگا۔ آگے سوالنامہ کا مفصل جواب عرض ہے۔ واللہ الموفق

الجواب

۱۔ ظاہر ہے کہ محض نام بدل دینے سے کسی معاملہ کی حقیقت نہیں بدلتی بیمہ کمپنی کے منافع بلاشبہ سود و ربوا کی تعریف میں داخل ہیں بینک کے سود کو ربوا کی تعریف سے خارج کرنے کے لئے جو وجوہ بعض نو تعلیم یافتہ حضرات نے لکھے ہیں۔ اُن کا مفصل جواب احقر کے رسالہ "مسئلہ سود" میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ اس میں سود و ربوا کی تعریف بھی وضاحت کے ساتھ لکھدی گئی ہے۔

۲۔ سود کے جواز کی تو کوئی گنجائش نہیں کہ اس کی حرمت قطعی اور شدید ہے جس کی تفصیل احقر کے رسالہ "مسئلہ سود" میں دیکھی جاسکتی ہے البتہ بیمہ کے قواعد و ضوابط میں ترمیم کر کے اس کو ایک نفع بخش شرعی معاملہ بنایا جاسکتا ہے۔ جس کا ذکر تفصیل میں آئے گا۔

۳۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ:۔

(الف) قرآن کریم کی آیت واحل اللہ البیع وحرم الربوا میں بیع و تجارت کو حلال اور اس کے مقابل ربوا کو حرام قرار دیا ہے۔ بیع یا تجارت ایک مشترک کاروبار میں نفع نقصان کی منصفانہ تقسیم کا نام ہے۔ اور ربوا اس زیادتی کا نام ہے جو تجارتی نقصان سے قطع نظر کر کے اپنی رقم کی میعاد معین کے معاوضہ میں وصول کی جائے۔ خواہ کاروبار میں کتنا

ہی نفع یا نقصان ہو۔ ظاہر ہے کہ بیمہ کی تینوں صورتوں میں جو منافع یا بونس دیا جاتا ہے وہ بیع وتجارت کے اصول پر نہیں بلکہ ربوا کے طور پر دیا جاتا ہے۔

(ب) اور چونکہ حوادث کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ واقع ہوں گے یا نہیں اور ہوں گے تو کب اور کس پیمانہ پر اور اس مبہم اور نامعلوم چیز پر کسی نفع کو معلّق کرنا ہی قمار ہے جس کو قرآن کریم نے بلفظ میسر حرام قرار دیا ہے بیمہ کا مدار ہی اس نامعلوم اور مبہم نفع کی اُمید پر ہے جو بلاشبہ قمار میں داخل ہے۔

(ج) تینوں قسم کے بیموں میں جو یہ شرط ہے کہ جو شخص کچھ رقم بیمہ پالیسی کی جمع کرنے کے بعد باقی قسطوں کی ادائیگی بند کردے۔ اس کی جمع کردہ رقم سوخت ہوجاتی ہے یہ شرط خلاف شرع اور ناجائز ہے۔ قواعد شرعیہ کی رو سے اس کو تکمیل معاہدہ پر مجبور تو کیا جاسکتا ہے اور عدم تعمیل کی صورت میں کوئی تعزیری سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ ادا کردہ رقم کو اس جرمانہ میں ضبط کرلینا جائز نہیں ہوسکتا۔ یہ تین خلاف شرع امور اور گناہ کبیرہ ہیں جو تینوں قسم کے بیموں میں موجود ہیں اس لئے بلحاظ حکم شرعی تینوں میں کوئی فرق نہیں سب کے سب ناجائز ہیں۔ بیموں کی ان تینوں قسموں کا عام رواج غالباً اسی صدی کے اندر ہوا ہے۔ اس لئے فقہاء متاخرین کے مباحث اور فتاویٰ میں بھی کہیں ان کا ذکر نظر نہیں پڑتا۔

۴۔ البتہ ایک چوتھی قسم بیمہ کی اور ہے جس کو سوال میں نہیں لیا گیا وہ سندات و کاغذات اور نوٹوں کا بیمہ ہے۔ اس کا رواج غالباً کچھ قدیم ہے اسی لئے علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ جو متاخرین میں افضل الفقہا مانے گئے ہیں۔ انہوں نے اس کا ذکر کتاب الجہاد باب المستامن میں بنام سوکرہ کیا ہے مگر اس کی جو صورت لکھی ہے وہ موجودہ بیمہ سندات و کاغذات سے کسی قدر مختلف ہے۔ علامہ شامی نے ان کو بھی ناجائز قرار دیا ہے مگر انہیں کی تحریر سے بیمہ سندات دکاغذات کی مروجہ صورت کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں نقل کیا ہے ان المودع اذا اخذ الاجرۃ علی الودیعۃ یضمنہا اذا ہلکت (شامی طبع استنبول ص ۳۴۵ ج ۳) یعنی جس شخص کو کوئی سامان،

بغرض حفاظت دیا جائے اگر وہ اس کی حفاظت کا معاوضہ لیتا ہے تو ضائع ہو جانے کی صورت میں اس پر ضمان واجب ہوگا۔

ظاہر ہے کہ محکمہ ڈاک وغیرہ جو سندات کاغذات وغیرہ سربمہر کر کے حفاظت کے وعدہ پر لیتا ہے اور اس حفاظت کی فیس بھی لیتا ہے تو ضائع ہو جانے کی صورت میں مذکورہ روایت کی بناء پر ضائع شدہ کاغذات کا ضمان اس پر لازم آئے گا۔

۵۔ یقیناً قمار میں داخل ہے کیونکہ کسی معاملہ میں نفع نقصان کو کسی غیر معیّن غیر معلوم چیز پر معلق رکھنے ہی کا نام قمار ہے۔

۶۔ غرر تو نہیں مگر خطر ضرور ہے۔ جو بنیاد ہے قمار کی اور ربوا کی طرح اس کی بھی حرمتِ قرآن کی نص قطعی میں آئی ہے اور اس کو بت پرستی کے مساوی جرم اور شیطانی عمل قرار دیا ہے۔ انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ۔ اس لیے اس کے جواز کی تو کوئی گنجائش مصالح مذکورہ کی بناء پر نہیں ہو سکتی البتہ قواعد میں ترمیم کر کے جائز معاملہ بنایا جا سکتا ہے۔ جس کا ذکر عنقریب آئیگا۔

۷۔ جائز ہے صرف اتنی قباحت ہے کہ اس کے روپیہ سے سود و قمار کا مقابلہ کرنے والوں کی کسی نہ کسی درجہ میں امداد ہوتی ہے۔ اگرچہ سبب بعید ہونے کے سبب اس کو حرام نہ کہا جائے گا کیونکہ یہاں سود و قمار کا معاملہ کرنے والے دوسرے لوگ ہیں۔ جن میں یہ شامل نہیں اور نہ اس کا روپیہ ان کے فعل حرام کے لئے خاص طور پر محرک اور داعی بنا ہے ہاں غیر ارادی طور پر اس کے روپیہ سے ان کی امداد ہو گئی۔ اس طرح کے تسبب للمعصیت کو حرام نہیں کہا جا سکتا البتہ خلاف اولیٰ ضرور ہے جس کی تعبیر فقہا کی اصطلاح میں مکروہ تنزیہی سے کی جاتی ہے۔ جیسے فاسق بدکار یا فاحشہ کے ہاتھ کی تیار کردہ کھانے پینے کی چیزیں یا لباس اور زینت کی اشیاء فروخت کرنا جن سے وہ اپنے فسق و فجور سے کام لیتے ہیں۔ حرام صرف وہ تسبب ہے جو معصیت کے لیے بطور خاص محرک اور داعی ہو جیسے قرآن کریم میں عورتوں کو پاؤں زمین میں اس طرح مارنے کی ممانعت ہے جس سے اُن کا زیور بجے اور غیر محرم مردوں کی نظریں

اس طرف متوجہ ہوکر نظر بد کے لئے محرک بنے۔ ولا یضربن بارجلھن لیعلم مایخفین من زینتھن۔ یا کفار کے معبودوں کو برا کہنے کی ممانعت اس لئے آئی ہے کہ وہ کفار کے لئے اللہ جل شانہٗ کی شان میں گستاخی کی محرک اور داعی بنے گی۔ اسی فرق کو فقہاء حضرات نے کہیں سبب قریب و بعید کے عنوان سے اور کہیں۔ ماقامت المعصیت بعینہ وبغیرہ کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

اس لئے بیمہ کمپنی میں روپیہ صرف اس نیت سے جمع کرنا کہ رقم پس انداز ہو جائے، اور وقتِ ضرورت کام آئے۔ اس کا سود نہ لینے کی صورت میں خلافِ اولیٰ مگر جائز ہے۔

۸۔ تبرّع واحسان کی کوئی علامت یہاں موجود نہیں۔ تبرّع واحسان پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں عدالتی چارہ جوئی کے ذریعہ جبراً وصول کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ بھی بدیہی ہے کہ کمپنی کو براہِ راست کسی غریب مصیبت زدہ سے کوئی ہمدردی نہیں کہ وہ اس مد میں کچھ خرچ کرے وہ خالی ایک تجارت یا کاروبار ہے جو اس نظریہ پر قائم ہے کہ عادۃً حوادث کا اوسط کیا رہے گا اور کمائی کا اوسط کیا۔ حوادث کے اوسط کو حاصل شدہ رقم کے اوسط سے بہت کم محسوس کرکے باقیماندہ منافع کے لئے یہ کاروبار جاری ہے۔

بعض تجدّد پسند علماء عصر نے جوئس کو امداد باہمی کا معاہدہ قرار دے کر مولی الموالاۃ کے احکام پر قیاس فرمایا اور عقد موالات کی طرح اس کو بھی جائز قرار دیا ہے وہ بالکل قیاس مع الفارق ہے کیونکہ عقد موالات کا جواز جو بروایت ابوداؤد حضرت تمیم داریؓ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے وہ صرف نومسلموں کے لئے ہے جن کا کوئی وارث مسلمان موجود نہ ہو اگر وہ کسی شخص سے بھائی چارہ کا معاہدہ کرلیں، تو وہ ایک حیثیت سے اُن کا بھائی قرار پائے گا۔ زندگی میں جو جنایات کی دیت کسی بھائی پر عائد ہوتی ہے وہ اس شخص پر عائد ہوگی اور مرنے کے بعد اس کی وراثت کا یہ حقدار قرار پائے گا۔ یہ عقد موالات حدیث مذکور کی بنا پر صرف وہ شخص کرسکتا ہے جس کا کوئی مسلمان وارث

نہ ہو اور جس کا کوئی مسلمان وارث نزدیک یا دور کا خواہ عصبات میں سے ہو یا ذوی الارحام میں سے موجود ہو تو اس کا یہ عقد موالات کسی شخص سے باطل و کالعدم ہے۔ کیونکہ وارث کا حق تلف کرنے کا اس کو اختیار نہیں۔ اسی لئے صاحب ہدایہ نے لکھا ہے۔ وان کان لہ وارث فهو اولى منه وان كانت عمتہ او خالتہ او غیرهما من ذوی الارحام (کتاب الولاء) اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ عقد موالات جو صرف نومسلموں کے لئے لاوارث ہونے کی حالت میں جائز کیا گیا ہے۔ اس پر عام امداد باہمی کے معاہدہ کو قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اس وقت ہے جب کہ بیمہ کے کاروبار کو امداد باہمی کا معاہدہ سمجھ لیا جائے جس کے سمجھنے کی کوئی گنجائش نہ بیمہ کمپنی کے کاروبار میں نظر آتی ہے نہ بیمہ پالیسی خریدنے والوں کے معاملات سے اس کا کوئی ثبوت مل سکتا ہے۔

درحقیقت مروجہ بیمہ کو امداد باہمی کہنا ایک دھوکہ ہے اور بیمہ اور سٹہ سے سودی کاروبار پر آنے والی نحوست کو پوری قوم کے سر پر ڈالنے کا ایک خوبصورت حیلہ ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ سودی کاروبار کا حاصل اسکے سوا کچھ نہیں کہ دس ہزار کا سرمایہ رکھنے والا اپنے دس ہزار کے ساتھ بینکوں کے ذریعہ پوری قوم کے نوے ہزار مزید بطور سودی قرض وصول کر کے مثلاً ایک لاکھ کا کاروبار کرتا ہے۔ اگر اس تجارت میں نفع ہوتا ہے تو وہ سارا کا سارا کاروبار کرنے والے کا مال ہے۔ برائے نام دو فیصد یا چار فیصد کے حساب سے قومی سرمایہ کا سود ہوتا ہے جو بنک کے حصہ داروں میں تقسیم ہو کر ایک بے منفعت اور بے فائدہ اضافہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ البتہ کاروبار کرنے والے کے لئے ایک لاکھ کے دو لاکھ ہو جاتے ہیں اور اس کی سرمایہ داری بڑھتی جاتی ہے، اور اگر فرض کیجئے کہ اس کی تجارت پر زوال آیا اس کا سرمایہ بھی ڈوب گیا تو اس کا نقصان صرف دس ہزار کا یعنی دس فیصد ہوا۔ باقی سرمایہ پوری ملت کا تھا۔ اُن کا نقصان نوے فیصد ہوا اول تو یہی ظلم کچھ کم نہیں کہ قوم و ملت کو نفع ملے تو چار فیصد کے حساب سے ملے اور نقصان ہو تو نوے فیصد کے حساب سے پہنچے اس کے علاوہ سودی

کاروبار کرنے والے خود غرض لوگوں نے اپنے دس ہزار کے نقصان کو بھی پوری قوم کے سر ڈال دینے کے لئے دو طریقے ایجاد کر لئے ہیں۔ ایک بیمہ دوسرا سٹہ کیونکہ تجارت میں نقصان دو طریقوں سے ہوتا ہے۔ کبھی کوئی حادثہ آگ لگ جانے یا جہاز ڈوب جانے وغیرہ سے پیش آجائے اور کبھی سامان تجارت کی قیمت گھٹ جائے تو نقصان ہوتا ہے۔

پہلے نقصان کو جو خالص اس کی ذات پر پڑنے والا تھا اس کو بیمہ کے ذریعہ پوری ملت کے سرمایہ پر ڈال دیا اور دوسرے نقصان سے بچنے کے لئے سٹہ کا بازار گرم کیا کہ جب ذرا نقصان کا خطرہ نظر آئے تو اپنی بلا دوسرے کے سر ڈال کر خود نقصان سے صاف اور بیباق ہو جائے اسی طرح اگر موجودہ طریق کاروبار کی گہرائیوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بیمہ اور سٹہ درحقیقت سودی کاروبار ہی کے تتمات ہیں جن کے ذریعہ پوری قوم کے نفع و نقصان سے قطع نظر صرف اپنا پیٹ پالنے اور اپنے سر آئے ہوئے نقصان کو دوسروں کے سر ڈالنے کے لئے بڑی ہوشیاری اور خوبصورتی سے اس کو قومی ہمدردی اور امداد باہمی کا عنوان دیا گیا ہے۔

۹۔ اگر کمپنی کفار اہل حرب کی ہے اور مسلمان کوئی اس میں حصہ دار نہیں ہے تو اس میں بیمہ پالیسی لے کر کوئی نفع خواہ ربوا کا یا حادثہ کا حاصل کر لینا مسئلہ مختلف فیہا ہو جائے گا جو امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو نا جائز ہی ہے۔ مگر دوسرے ائمہ اجازت دیتے ہیں۔ امام اعظم کے مسلک پر بھی جواز اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ کوئی مسلمان اس میں حصہ دار نہ ہو۔ مگر عملاً ایسا ہونا شاذو نادر ہی ہو سکتا ہے

۱۰۔ ۱۱۔ ایک فرق سامنے رکھنا ضروری ہے کہ حادثہ کی صورت میں جو رقم حکومت سے ملے گی اس کو حکومت کا عطیہ قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ ایسے حالات میں امداد کرنا عموماً حکومتوں کی ذمہ داری سمجھا جاتا ہے۔ مگر ربوا کا معاملہ پھر بھی حرام رہے گا۔ اس میں نجی کاروبار میں اور حکومت کے کاروبار میں کوئی فرق نہیں۔

۱۲ (الف) یہ صورت جائز ہے کہ حکومت کی طرف سے جو غیر شرعی ٹیکس عائد

ہیں ان کو ادا کرنے کے لئے حکومت ہی سے اُس کے قانون کے مطابق کوئی رقم حاصل کرلی جائے خواہ اس کے حصول کا ذریعہ ربوا کے عنوان میں آتا ہو مگر شرط یہ ہے کہ صرف اُتنی ہی رقم وصول کی جائے جتنی حکومت کے غیر شرعی ٹیکسوں میں دینی ہے۔

(ب) ازروئے قواعد تو اس کی بھی گنجائش ہے مگر انفرادی طور پر عملاً ایسا ہونا مشکل ہے۔ اس کا نتیجہ پھر یہی ہوگا کہ اس رقم کو صرف کرنے والے اُس سے اپنے مفاد حاصل کریں گے۔ جو ناجائز ہے ہاں کسی ایسے ادارہ کو یہ رقم سپرد کردی جائے۔ جو ذمہ داری کے ساتھ انہیں کاموں میں صرف کردے جن کے پورا کرنے کی ذمہ داری حکومت پر تھی مگر حکومت کسی وجہ سے اس کو پورا نہیں کررہی ہے تو اس صورت میں مضائقہ نہیں۔

ج۔ جو کام حکومت کی ذمہ داری اور فرائض میں داخل نہیں کبھی تبرعاً حکومت بھی کردیتی ہے۔ ان کاموں پر صرف کرنے کے لئے حکومت کی بیمہ پالیسی سے کسی ناجائز طریقہ پر رقم حاصل کرنا جائز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جواز کی علت اس تاوان سے بچنا ہے جو حکومت کی طرف سے غیر شرعی طور پر عاید کیا گیا ہو۔ وہ علت صورت (ج) میں مفقود ہے۔

۱۳۔ صدقہ کرنے کی نیت سے سود یا قمار کی رقم حاصل کرنا جائز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ صورت ایک گناہ کرکے اس سے توبہ یا کفارہ کردینے کی ہے ناجائز طریقہ سے جو رقم کو صدقہ کردے۔ اسی وجہ سے اس میں نیت ثواب رکھنا بھی جائز نہیں بلکہ نیت کفارہ گناہ کی ہونا چاہئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ کردینے سے بیمہ پالیسی کی ناجائز رقم حاصل کرنا تو ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی توبہ اور کفارہ کی نیت سے کسی گناہ پر اقدام کرے کہ اُس کے اس اقدام گناہ یا ارتکاب حرام کو جائز نہیں کہا جاسکتا۔

بیمہ کے صحیح بدل کی تجویز یا قواعد میں ترمیم

آخری سوالات الف اور ب میں ایسی صورت کا سوال کیا گیا جس میں شرعی حیثیت سے کوئی قباحت نہ ہو اور بیمہ کے فوائد اس سے حاصل ہو سکیں۔ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اصول شرعیہ کے ماتحت مروجہ بیمہ کے ایسے بے خطر اور بے ضرر بدل موجود ہیں کہ اُن کو بروئے کار لایا جائے تو نہ صرف مروجہ بیمہ کا اچھا بدل بن سکیں۔ بلکہ قوم کے بے سہارا افراد کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کا بہترین ذریعہ بن سکتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ اسی وقت ہو سکتا ہے جب قوم میں اسلامی حمیّت اور قومی غیرت کا شعور بیدار ہو۔ اپنی زندگی اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے لئے تھوڑی بہت محنت اور قربانی کے لئے تیار ہوں۔ اور اگر دوسروں کی نقالی ہی کو سرمایہ سعادت و ترقی سمجھ کر اس کے حصول میں حلال و حرام کے امتیاز اور فکر آخرت سے بے نیازی کو اپنا شعور بنا لیا جائے تو ظاہر ہے کہ یورپ کے شاطر ہمارے اسلامی نظام زندگی کی حفاظت کی غرض سے خود کوئی تبدیلی کرنے سے رہے۔

یہاں ایک مشکل یہ بھی ہے کہ معاملہ انفرادی نہیں اجتماعی ہے اگر چند افراد داعم اس مقصد کے لئے تیار بھی ہوں تو یہ کام نہیں چل سکتا جب تک کوئی معتد بہ جماعت اس کام کو مقصد زندگی بنا کر آگے نہ بڑھے۔

مروجہ بیمہ کا صحیح بدل

ا۔ بیمہ پالیسی کی حاصل شدہ رقوم کو مضاربت کے شرعی اصول کے مطابق تجارت پر لگایا جائے۔ اور معینہ سود کے بجائے تجارتی کمپنیوں کی طرح تجارتی نفع تقسیم کیا جائے نقصان سے بچنے کے لئے لمیٹڈ کمپنیوں کی طرح اس کی نگرانی پوری کی جائے اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے، سود خوری کی خود غرضانہ اور غیر منصفانہ عادت کو گناہ عظیم سمجھا جائے کہ دوسرے شریک کا چاہے سارا سرمایہ ضائع ہو جائے۔ ہمیں اپنا

راس المال مع نفع کے اُس سے وصول کرنا ضروری یہی وہ منحوس چیز ہے جس کے سبب نص قرآنی کے مطابق سود کا مال اگرچہ گنتی میں بڑھتا نظر آئے مگر معاشی فوائد کے اعتبار سے وہ گھٹ جاتا ہے اور انجام کار تباہی لاتا ہے۔ اور یہ گنتی کا فائدہ بھی پوری قوم سے سمٹ کر چند افراد یا خاندانوں میں محصور ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ پوری قوم مفلس سے مفلس تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

۲۔ بیمہ کے کاروبار کو امداد باہمی کا کاروبار بنانے کے لئے بیمہ پالیسی خریدنے والے اپنی رضامندی سے اس معاہدہ کے پابند ہوں کہ اس کاروبار کے منافع کا ایک معتد بہ حصہ نصف یا تہائی چوتھائی ایک ریزرو فنڈ کی صورت میں محفوظ رکھ کر وقف کریں گے۔ جو حوادث میں مبتلا ہونے والے افراد کی امداد پر خاص اصول وقواعد کے ماتحت خرچ کیا جائے گا۔

۳۔ بصورت حوادث یہ امداد صرف اُن حضرات کے ساتھ مخصوص ہوگی جو اس معاہدہ کے پابند اور اس کمپنی کے حصہ دار ہیں۔ اوقاف میں ایسی تخصیصات میں کوئی مضائقہ نہیں وقف علی الاولاد اس کی نظیر موجود ہے۔

۴۔ اصل رقم مع تجارتی نفع کے ہر فرد کو پوری پوری ملے گی اور وہ ہی اس کی ملک اور حقیقت سمجھی جائے گی۔ امداد باہمی کا ریزرو فنڈ وقف ہوگا جس کا فائدہ وقوع حادثہ کی صورت میں اس وقف کرنے والے کو بھی پہنچے گا۔ اور اپنے وقف سے خود کوئی فائدہ اٹھانا اصول وقف کے منافی نہیں۔ جیسے کوئی رفاہِ عام کیلئے ہسپتال وقف کرے پھر بوقت ضرورت اُس سے خود بھی فائدہ اٹھائے۔ یا قبرستان وقف کرے پھر خود اس کی اور اس کے اقرباء کی قبریں بھی اس میں بنائی جائیں۔

۵۔ حوادث پر امداد کے لئے مناسب قوانین بنائے جائیں۔ جو صورتیں عام طور پر حوادث کہی اور سمجھی جاتی ہیں ان میں پسماندگان کی امداد کے لئے معتد بہ رقم مقرر کی جائے۔ اور جو صورتیں عادۃً حوادث میں داخل نہیں سمجھی جاتی جیسے کسی بیماری کے ذریعہ موت واقع ہو جانا اس کیلئے یہ کیا جاسکتا ہے کہ متوسط تندرستی والے افراد

کے لئے ساٹھ سال کو عمر طبعی قرار دیکر اس سے پہلے موت واقع ہو جانے کی صورت میں بھی کچھ مختصر امداد دی جائے متوسط تندرستی کو جانچنے کے لئے جو طریقہ ڈاکٹری معائنہ کا بیمہ کمپنی میں جاری ہے وہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بیمار یا ضعیف آدمی کے لئے اسی پیمانہ سے عمر طبعی کا ایک انداز مقرر کیا جا سکتا ہے۔

۶۔ چند قسطیں ادا کرنے کے بعد سلسلہ بند کر دینے کی صورت میں دی ہوئی رقم کو ضبط کر لینا ظلم صریح اور حرام ہے۔ اس سے اجتناب کیا جائے۔ ہاں کمپنی کو ایسے غیر محتاط لوگوں کے ضرر سے بچانے کے لئے معاہدہ کی ایک شرط یہ رکھی جا سکتی ہے کہ کوئی شخص حصہ دار بننے کے بعد اپنا حصہ واپس لینا چاہے یعنی شرکت کو ختم کرنا چاہے تو پانچ یا سات یا دس سال سے پہلے رقم واپس نہ کی جائے گی۔ اور ایسے شخص کے لئے تجارتی نفع کی شرح بھی بہت کم رکھی جا سکتی ہے بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کل معہودہ رقم کے نصف ہونے تک کوئی نفع نہیں دیا جائے گا۔ نصف کے بعد ایک خاص شرح نفع کی متعین کر دی جائے مثلاً روپیہ میں ایک آنہ دو آنہ۔ یہ سب امور منتظمہ کمیٹی کی صوابدید سے طے ہو سکتے ہیں۔ ان کا اثر معاملہ کے جواز و عدم جواز پر نہیں پڑتا۔

یہ ایک سرسری، مختصر اجمالی خاکہ ہے اگر کوئی جماعت اس کام کے لئے تیار ہو۔ تو اس پر مزید غور و فکر کر کے زیادہ سے زیادہ نافع بنانے اور نقصانات سے محفوظ رکھنے کی تدبیریں سوچی جا سکتی ہیں۔ اور سال دو سال تجربہ کر کے اُن میں بھی شرعی قواعد کے ماتحت تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔

بینکنگ اور بیمہ کا موجودہ نظام بھی تو کوئی ایک سال میں قابل عمل نہیں ہوا ایک صدی سے زیادہ اس میں غور و فکر اور تجربات کی بنا پر ردّ و بدل کرنے کے بعد اس شکل میں آیا ہے جس پر اطمینان کیا جا سکتا ہے۔ اگر صحیح جذبہ کے ساتھ اس کا تجربہ کیا جائے اور تجربات کے ساتھ شرعی قواعد کے ماتحت اصلاحات کا سلسلہ جاری رہے تو یقیناً چند سال میں بلاسود کی بنکاری اور بیمہ وغیرہ کا نظام شرعی اصول پر پورے

استحکام کے ساتھ بروئے کار آسکتا ہے۔

نظام مضاربت کے تحت بنکاری کا ایک لازمی اثر یہ بھی ہوگا کہ ملک کی دولت سمٹ کر چند افراد یا خاندانوں میں محصور ہو کر نہیں رہ جائے گی بلکہ تجارتی نفع کی شرح سے پوری قوم کو معتد بہ فائدہ حاصل ہو گا۔ اس وقت صرف اس اجمالی خاکہ ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ واللہ المستان وعلیہ التکلان

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دار العلوم کراچی ۱۴ ۲۱ شوال المکرم ۱۳۸۴ھ

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ	ولی حسن ٹونکی	محمد سلیم اللہ
الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی	محمد رفیع	محمد تقی

الجواب ۲

از مولانا مفتی ولی حسن صاحب

ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام نوع انسانی کے لئے وہ آخری پیغام حیات ہے جو قیامت تک آنے والی نسلوں کو زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی کے لئے ہر زمانہ اور ہر ماحول میں کافی و وافی ہے، اب خدائی ہدایت اور تشریع الٰہی کا مستند ماخذ صرف اسلام ہے۔ آئندہ کوئی مزید ہدایات اور تشریع آنے والی نہیں ہے۔ جس کی طرف انسان کو رجوع کرنے کی ضرورت ہو۔

اسی ہدایات ربانی میں ہماری مادی روحانی شخصی، اجتماعی، اقتصادی، معاشی سیاسی غرض ہر ضرورت کا سامان موجود ہے۔

قرآن حکیم نے اس ہدایت ربانی کے اصول و کلیات کی طرف رہنمائی کی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل اور تقریر (بیان سکوتی) سے ان اصول و کلیات کی تفصیلات اور جزئیات بیان فرمائیں پھر چونکہ یہ آخری ہدایت ہے اس لئے امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے اجتہاد کے شرف سے نوازا۔ آئمہ مجتہدین نے اپنی مقدور بھر کوششیں اور عمریں قرآن کریم و حدیث نبوی کے سمجھنے اور ان ہر دو، ماخذوں سے احکام اور ان کی علل و غایات استنباط کرنے میں اور غیر منصوص مسائل کے احکام ان سے اخذ کرنے میں صرف کیں، بالآخر ان برگزیدہ نفوس کی سعی و کوشش سے ایک عظیم ذخیرہ احکام و قوانین ظہور پذیر ہو گیا۔ جس کو "فقہ اسلامی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

فقہ اسلامی میں ہمارے اس زمانہ کی بیشتر ضروریات کا حل موجود ہے لیکن جدید تمدن اور صنعتی انقلاب نے اس زمانہ میں نت نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ معاملات، معاشیات اور اقتصادیات کے سلسلہ میں سینکڑوں ایسے مسائل پیدا ہو گئے ہیں جو حل طلب ہیں۔ اور علماء امت کو دعوت فکر دے رہے ہیں کہ وہ "فقہ اسلامی کی روشنی میں ان کا حل پیش کریں"۔ اصل میں تو یہ کام اسلامی حکومتوں کا تھا کہ وہ اپنے وسیع تر ذرائع و وسائل استعمال کر کے عالم اسلام کے منتخب اور مستند علماء کو جمع کرتیں اور ان کے ساتھ نئے معاملات و مسائل کے جاننے والے ماہرین موجود ہوتے پھر یہ سب حضرات قرآن حکیم، حدیث نبوی اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ان جدید مسائل کے صحیح حل اور جوابات دیتے۔ اسی طرح منصوص احکام کی علتوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر ان تمام جدید معاملات میں ان کو جاری کرتے جن میں وہ علتیں فی الواقع پائی جاتی ہیں۔

لیکن تاریخ کا یہ بھی ایک عجیب المیہ ہے کہ موجودہ مسلم حکومتوں پر ایسے افراد مسلط ہیں کہ جو اپنے وسائل و ذرائع کو اسلام کے احیاء اور اس کی نشاۃ ثانیہ پر صرف کرنے کے بجائے اسلام کی "تجدید" پر خرچ کر رہے ہیں۔ ان کی تمام تر کوششیں

کا حاصل یہی ہے کہ عام مسلمانوں کو اسلام کی حقیقی تعلیمات و احکام سے برگشتہ کر کے الحاد اور ذہنی آوارگی کے حوالہ کر دیا جائے۔ اگر کسی حکومت کے زیر انصرام کوئی ایک آدھ ادارہ "تحقیقات اسلامی" کے نام سے بھی نظر آتا ہے تو وہ بھی صرف اس غرض کے لئے ہے کہ "جدید اسلام" کی داغ بیل ڈال کر صحیح اسلام کے نقوش مسلمانوں کے دلوں سے مٹا دیئے جائیں۔ اس قسم کے اداروں کا مافی الضمیر سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ان کو غذا استشراق کے طعام خانوں سے ملتی ہے جن کا مقصدِ وحید یہی ہے کہ جو اسلام تلوار کے زور سے فتح نہیں ہو سکا۔ اس کو تشکیک کی راہوں پر ڈال کر ختم کر دیا جائے۔

دوسرے درجہ میں علماءِ امت کا فریضہ تھا کہ وہ ان پیش آنے والے مسائل کا حل پیش کرتے اجتماعی طور پر نئے مسائل میں غور و فکر کرنا اسلام کی منشاء کے عین مطابق ہے اور سلف میں اس کی متعدد نظیریں موجود ہیں۔

امام ابو بکر الرازی الجصاص اپنی بے نظیر کتاب احکام القرآن میں آیت کریمہ لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم[۱] اور انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نُزِّلَ الیھم[۲] کے تحت احکام شرعیہ میں غور و فکر کرنے کی اس طرح دعوت دیتے ہیں۔

فحثنا علی التفکر فیہ و حرضنا علی الاستنباط والتدبر وامرنا بالاعتبار لنتسابق الی ادراک احکامہ و ننال درجۃ المستنبطین	اللہ تعالیٰ نے ہم کو غور و فکر کرنے پر آمادہ کیا ہے اور احکام معلوم کرنے اور ان میں غور و خوض کرنے کی دعوت دی ہے اور قیاس سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ ہم اس کے احکام معلوم کرنے کی طرف پیشقدمی کریں

---

۱ ترجمہ آیت۔ تو تحقیق کرتے ان میں تحقیق کرنے والے۔

۲ ترجمہ آیت۔ اور ہم نے تجھ پر یہ قرآن اُتارا تاکہ تو وضاحت سے بیان کرے وہ چیز جو کہ اتری ہے ان کے واسطے۔

والعلماء الناظرین[1] اور احکام معلوم کرنے والے اور غور و فکر کرنیوالے علماء میں شامل ہو جائیں۔

فقیہ ملت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ غالباً ائمہ مجتہدین میں سب سے پہلے امام ہیں جنہوں نے "مسائل و واقعات" میں غور و فکر کرنے کے اجتماعی طریقے کو فروغ دیا۔ امام ممدوح نے اپنے شاگردوں میں سے چند نامور شخص انتخاب کئے جن میں سے اکثر خاص خاص فنون میں جو تکمیل فقہ کے لیے ضروری تھے استاد زمانہ تسلیم کئے جاتے تھے مثلاً یحییٰ بن ابی زائدہ۔ حفص بن غیاث، قاضی ابو یوسف، داؤد الطائی حبان مندل حدیث و آثار میں نہایت کمال رکھتے تھے، امام زفر قوت استنباط و استحسان میں مشہور تھے۔ قاسم بن معن اور امام محمد کو ادب اور عربیت میں کمال حاصل تھا۔ امام اعظمؒ نے ان حضرات کی شرکت میں ایک مجلس مرتب کی اور مسائل حاضرہ پر غور و فکر شروع کیا۔ امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن فرات سے روایت کیا ہے۔ کہ ابو حنیفہ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی اور اس عظیم کام میں امام صاحب کے شریک رہے چالیس[1] تھے۔ سنہ ۵ھ میں جب بیع[2] بالوفا کا بخارا اور اس کے اطراف میں رواج شروع ہوا تو چونکہ یہ معاملہ کی ایک نئی صورت تھی، بیع صحیح، بیع فاسد اور رہن کا مجموعہ نظر آتی تھی اس لئے اس زمانہ کے علماء کا اس کے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہوا، بعض نے اجازت دی، بعض نے ممانعت کی، امام ابوالحسن

---

[1] ص ۷۷، ۲ ج ۲ [2] اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ایک شخص دوسرے شخص سے کہے کہ میں نے تم کو یہ مکان فروخت کر دیا۔ اور پھر یہ شرط طے کرلے اور اس کی تحریر لکھالے کہ جب میں تم کو قیمت ادا کر دوں تو تم کو مکان واپس کرنا ہوگا۔ اس بیع کے بارے میں فقہا کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ بعض رہن کہتے ہیں اور بعض بیع۔ پھر یہ بیع صحیح ہے یا فاسد؟ فتویٰ یہی ہے کہ بیع ہے کیونکہ بیع و شراء کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ اگر بیع کے اندر واپسی کی شرط کی گئی تو بیع فاسد ہے، اور اگر ایجاب و قبول کے بعد شرط واپس کی گئی تو بیع صحیح ہے اور یہ شرط ایک وعدہ ہے جس کی وجہ سے بیع میں کوئی خرابی نہیں آتی۔

ماتریدی کو اس زمانہ کے ایک مشہور عالم نے مشورہ دیا کہ اس مسئلہ میں اختلاف رونما ہو گیا ہے۔ آپ اس مسئلہ کو رہن سمجھتے ہیں۔ میرا بھی خیال یہی ہے مگر لوگ پریشان ہیں آپ علماء امت کو جمع کریں اور اس مسئلہ میں غور و فکر کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچ کر عوام کے سامنے ایک "متفقہ فتویٰ" پیش کریں تاکہ ان کا اضطراب و تردد دور ہو۔ قاضی سماوہ نے جامع الفصولین میں نقل کیا ہے۔

قلت للامام ابی الحسن الما	میں نے امام ابوالحسن ماتریدی سے عرض کیا
تریدی قد فشی ھذا البیع	بیع بالوفا کا رواج عام ہو گیا ہے اور اسمیں
بین الناس وفیہ مفسدۃ	بڑی خرابی ہے آپ کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ رہن
عظیمۃ وفتواک انہ رھن وانا	کے حکم میں ہے میرا بھی یہی خیال ہے۔ لہذا
ایضا علی ذالک فالصواب ان	بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپ علماء کبار کو جمع کریں
تجمع الائمۃ وتتفق علی ھذا	اور اُن کے اتفاق رائے سے متفقہ فیصلہ لوگوں
وتظھرہ بین الناس [1]	کے سامنے ظاہر فرما دیں۔

قابل مبارک باد ہیں "دارالعلوم ندوۃ العلماء" کے منتظمین کہ انہوں نے اس ملّی ضرورت کو محسوس کیا اور ایک مجلس بنام "مجلس تحقیقات شرعیہ" تشکیل کی جس کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسائل جدیدہ میں علماء غور و فکر کریں اور متفقہ فیصلہ عوام کے سامنے پیش کریں، چنانچہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی "بیمہ کے" بارے میں ایک تفصیلی سوالنامہ ہے جس کو بڑی قابلیت سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس سوالنامہ کا تفصیلی جواب دینے سے پہلے بیمہ کے آغاز و انجام پر ایک نظر ڈال لینا مناسب ہے۔

بیمہ کا آغاز و انجام

کہا جاتا ہے کہ بیمہ کی ابتدا اٹلی کے تاجران اسلحہ سے ہوئی۔ ان لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ بعض تاجروں کا مالِ تجارت سمندر میں ضائع ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ انتہائی

---

[1] ص ۳۴ ج ۱

تنگدستی کا شکار ہوکر رہ جاتے ہیں۔ اس صورتِ حال کا حل یہ نکالا کہ اگر کسی شخص کا مال تجارت سمندر میں ضائع ہو جائے تو تمام تاجر مل کر اس کی معاونت کے طور پر اسے ہر ماہ یا ہر سال ایک معین رقم ادا کیا کریں۔ یہی تحریک ترقی کر کے جہازوں کے بیمہ تک پہنچی کہ ہر ایک ممبر ایک مقررہ رقم ادا کرے تاکہ اس قسم کے حوادث و خطرات کے موقعہ پر نقصان کا کچھ نہ کچھ تدارک کیا جا سکے۔

یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ سب سے پہلے اندلس کی مسلم حکومت کے دور میں بحری تجارت میں حصہ لینے والے مسلمانوں نے تجارتی بیمہ کی طرح ڈالی، ابتدا میں بیمہ کی شکل سادہ سی تھی بعد میں اس کی نئی نئی صورتیں نکلتی رہیں۔ اور تجربے ہوتے رہے۔ ہالینڈ اس تجربے میں پیش پیش رہا۔ موجودہ دور میں ایک مقررہ قسط پر بیمہ کاری کا نظام سب سے زیادہ مقبول ہے جس کو "سرمایہ کارانہ نظام بیمہ" کہا جاتا ہے۔ اب دنیا کی حکومتیں بیمہ کو لازمی قرار دے رہی ہیں جس کو "ریاستی بیمہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بیمہ کی ابتدا ۱۴۰۰ء میں بتلائی جاتی ہے ابتدا ہوتے ہی اس کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ اور اس کے مقدمات اس کثرت سے عدالتوں میں آنے لگے کہ ۱۴۳۵ء میں اس کے لئے خاص عدالتیں مقرر کی گئیں۔ جو صرف بیمہ کے مقدمات سماعت کریں۔ "بیمہ بحری" کے بہت عرصہ بعد "بیمہ بری" شروع ہوا۔

سلطنت آل عثمان کے زمانہ میں جب حکومتِ ترکی کے تجارتی تعلقات یورپ کے ملکوں سے قائم ہوئے تو یورپین تاجروں کے توسط سے بیمہ اسلامی ملکوں میں داخل ہوا اور اس کے بارے میں علمائے وقت سے استفسارات شروع ہوئے چنانچہ تیرہویں صدی ہجری کے مشہور فقیہہ علامہ ابن عابدین رد المختار میں تحریر کرتے ہیں۔

وبما قررنا لا يظهر جواب ما	اور ہماری اس تقریر سے اس سوال کا جواب
كثر السوال عنه في زماننا	بھی ظاہر ہوگیا جس کے بارے میں آج کل

وهو انه جرت العادة ان التجار
اذا استاجروا مركبا من حربي
يدفعون له اجرته ويدفعون
ايضا مالا معلوما لرجل حربي
مقيم في بلاده يسمى ذلك المال
"سوكره" على انه مهما هلك
من المال الذي في المركب
بحرق او غرق او نهب او غيره
فذلك الرجل ضامن له بمقابلة
ما ياخذه منهم وله وكيل عنه
مستامن في دارنا يقيم في البلاد
السواحل الاسلامية باذن السلطان
يقبض من التجار مال السوكره واذا
اهلك من مالهم في البحر شئ يؤدي
ذلك المستامن للتجار بدله تماما[2]

کثرت سے سوالات کئے جا رہے ہیں کہ اب
طریقہ یہ ہو گیا ہے کہ تاجر جب کسی حربی[1] سے
کوئی بحری جہاز کرایہ پر لیتے ہیں تو اس کا کرایہ
ادا کرنے کے ساتھ ہی ساتھ دار الحرب کے کسی
باشندہ کو جو اپنے علاقہ میں مقیم رہتا ہے کچھ
رقم اس شرط پر دیدیتے ہیں کہ جہاز میں لدے
ہوئے مال کے آتش زدگی، غرقابی اور لوٹ
مار ہو جانے کی صورت میں یہ شخص مال کا ضامن
ہوگا اور رقم کو "سوکرہ" (بیمہ کی رقم) کہا جاتا ہے
اس کا ایجنٹ ہمارے ملک کے ساحلی شہروں میں
شاہی اجازت نامہ کے بعد مستامن[3] بن کر رہتا
ہے جو تاجروں سے بیمہ کی رقوم وصول کرتا ہے
اور مال کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں تاجروں
کا پورا پورا معاوضہ ادا کرتا ہے۔

واضح ہو علامہ موصوف کے فتوے کو تو ہم بعد میں ذکر کریں گے لیکن عبارت مندرجہ بالا سے معلوم ہوا کہ بیمہ بحری کو اس زمانہ میں اچھا خاصہ فروغ ہو چکا تھا۔ یورپی ملکوں سے جو جہاز کرایہ پر لئے جاتے تھے۔ ان کا لازمی طور پر بیمہ کرایا جاتا تھا۔ بیمہ کمپنیوں کا عمل دخل ترکی حکومت میں جاری تھا، بیمہ کمپنیوں کے ایجنٹ

1۔ حربی دار الحرب کے باشندے۔

2۔ رد المختار باب المستامن ص: ۳۴۵ ۔ ج ۳ ۔

3۔ مستامن وہ دار الحرب کا باشندہ جو میعادی اجازت کے بعد دار الحرب سے دار الاسلام میں آیا ہوا ہو یا وہ دار الاسلام کا باشندہ جو دار الاسلام سے تجارت وغیرہ کے لئے دار الحرب گیا ہو۔

مالی بندرگاہوں پر باضابطہ سلطانی اجازت کے بعد مقیم تھے اور انہوں نے اپنے دفاتر قائم کر لیئے تھے یہاں تک کہ علمائے وقت کے پاس اس بارے میں کثرت سے سوالات آنے لگے، کتبِ فتویٰ میں ردالمختار غالباً پہلی کتاب ہے۔ جس میں بیمہ کے بارے میں تفصیل سے جواب دیا گیا ہو۔

بیمہ کی ابتدا جس جذبہ کے تحت ہوئی اور جس طرح وہ ارتقار کے مختلف ادوار سے گذرا وہ سب کے سامنے ہے لیکن اس کا انجام فاضل جلیل استاد ابوزہرہ کے الفاظ میں قابل ملاحظہ ہے۔

اگرچہ اس کی اصلیت تو تعاون محض تھی لیکن اس کا انجام بھی ہر اُس ادارہ کا سا ہوا جو یہودیوں کے ہاتھ میں پڑا کہ یہودیوں نے اس نظام کو جس کی بنیاد "تعاون علی البر والتقویٰ" پر تھی۔ اسے ایک ایسے یہودی نظام میں تبدیل کر دیا جس میں قمار (جوا) اور ربوا (سود) دونوں پائے جاتے ہیں [۲]

بیمہ کے سلسلہ میں ہندوپاک میں اجتماعی رائے حاصل کرنے کی باقاعدہ کوشش تو یہی نظر آتی ہے۔ جو مجلس "تحقیقات شرعیہ" ندوۃ العلماء لکھنو نے شروع کی ہے لیکن مصر و شام میں اس پر علمی بحثیں مدت سے جاری ہیں۔ وہاں بیمہ کے نظام کو سمجھانے کے لئے کئی کتابیں بھی لکھی جا چکی ہیں۔

مصر میں تین چار سال قبل مسائل جدیدہ پر غور و فکر کرنے کے لئے ایک مجلس ترتیب دی گئی جس میں استاذ ابوزہرہ، استاذ خلاف اور دیگر علما شریک ہوئے

---

[۱] بعد کے فتاویٰ میں امداد الفتاویٰ مبوب اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں بھی بیمہ کے سلسلہ میں جوابات دیئے گئے ہیں۔

[۲] لواء الاسلام بحوالہ ماہنامہ برہان دہلی بابت ماہ مارچ ۱۹۶۰ء

[۳] ڈاکٹر محمد علی عرفہ کی "عقد التامین" اور ڈاکٹر سعد واصف کی "التامین من المسئولیۃ" خاص مشہور کتابیں ہیں شام کے مشہور فاضل اور "المدخل الفقہی العام" کے مصنف مصطفیٰ الزرقاء نے نظام بیمہ کے سمجھنے کے لیئے ان ہی دو کتابوں کو مدار بنایا ہے۔

اس کے پہلے جلسہ میں جو مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا بیمہ کا مسئلہ پیش کیا گیا۔ اس جلسہ کی پوری روئیداد مجلہ لواء الاسلام قاہرہ میں چھپی تھی۔ پھر شام کے مشہور فاضل مصطفےٰ الزرقاء نے مجلہ حضارۃ الاسلام (دمشق) کے صفحات پر عقد التامین وموقف الشریعۃ" کے عنوان سے بحث چھیڑی اور علماء کو دعوت دی کہ وہ اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کریں، چنانچہ استاذ ابوزہرہ نے استاذ الزرقاء کے جواب میں نہایت مدلل مقالہ سپرد قلم فرمایا۔

استاذ الزرقاء کے مضمون سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء مصر و شام اس مسئلہ میں مختلف الخیال ہیں اگرچہ اکثریت کا یہی خیال ہے کہ بیمہ ناجائز ہے اور جب تک کہ بیمہ کے موجودہ نظام کو تبدیل نہ کیا جائے مسلمانوں کے لئے قابلِ قبول، نہیں، مختلف الخیال حضرات کی آرا اور ان کے دلائل کا خلاصہ ذیل میں درج ہے

ایک مختصر سی تعداد کا خیال ہے کہ ہر قسم کا بیمہ جائز ہے۔ یہ حضرات بیمہ کے موجودہ نظام کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی حلت اور جواز کے قائل ہیں ان حضرات کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔

(الف) بیمہ امداد باہمی کی ایک شکل ہے۔ تعاون اور امداد باہمی اسلامی حکم ہے۔

(ب) جس طرح بیع بالوفاء کو گوارا کر لیا۔ اسی طرح اس کو بھی گوارا کر لیا جائے۔

(ج) بیمہ کمپنی ضرورت مندوں کو جو قرض دیتی ہے اور اس پر جو سود لگاتی ہے یا بیمہ دار کو اصل مع منافع دیا جاتا ہے۔ وہ شرعی ربوا (سود) نہیں ہے۔

دوسرا گروہ جس کی قیادت استاذ الزرقا کے ہاتھ میں ہے اس کا خیال ہے کہ غیر سودی بیمہ جائز ہے۔ بیمہ میں اگر قباحت ہے تو وہ سود ہے، اس کو ختم کرنے کے بعد بیمہ کی ہمہ اقسام جائز ہیں۔ ان حضرات کے دلائل کا تجزیہ اس

لہ اس کا اردو ترجمہ ماہنامہ برہان دہلی بابت ماہ مارچ ۱۹۶۰ء میں دیکھا جاسکتا ہے۔

طرح کیا جا سکتا ہے۔

(الف) عقد موالاۃ پر قیاس[1] کہ اس میں ایک غیر شخص دیت وغیرہ کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے اور اس کے معاوضہ میں میراث کا حصہ دار ہو جاتا ہے اسی طرح بیمہ کو بھی سمجھ لیا جائے۔

(ب) "ودیعت باجر[2]" اور مسئلہ ضمان[3] خطر الطریق" میں بیمہ کی بعض صورتوں کو داخل کیا جا سکتا ہے۔

(ج) مالکیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی سے وعدہ کرے بدوں کسی عقد کے تو وہ وعدہ لازم ہو جاتا ہے اور نقصان کی صورت میں وعدہ کرنے پر معاوضہ، نقصان ضروری ہوتا ہے[4]

تیسرا گروہ جس کی قیادت استاذ ابوزہرہ کے ہاتھ میں ہے، اس کا قائل ہے کہ بیمہ مطلقاً ناجائز ہے۔ خلاصہ دلائل یہ ہے: (۱) بیمہ اپنی اصل وضع میں یا تو قمار ہے جب کہ مدت مقررہ کے اختتام کے قبل ہی بیمہ دار کی موت واقع ہو جائے یا ربوا ہے جب کہ کل اقساط کی ادائیگی کے بعد بیمہ دار بیمہ شدہ

---

[1] اس سلسلہ میں شیخ الزرقا نے احمد طہ السنوسی کے مضمون کی بڑی تعریف کی ہے جو مجلۃ الازہر ۱۳۷۳ھ جلد ۲۵ میں چھپا تھا۔

[2] "ودیعۃ باجر" کی صورت یہ ہے کہ اپنے مال کو کسی دوسرے شخص کے پاس امانت رکھا جائے اور حفاظت امانت کی "اجرت" مقرر کر دی جائے اس صورت میں اگر مال ضائع ہو جائے تو امین ضامن ہوتا ہے اور نقصان کا معاوضہ اس کے ذمہ واجب ہے۔

[3] اس کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ اس راستہ پر سفر کرو راستہ قابل اطمینان ہے اگر راستہ قابل اطمینان نہ ہوا۔ اور تمہارا مال لوٹ لیا گیا تو میں ضامن ہوں راستہ میں مال لوٹ لیا گیا تو وہ مال کا ضامن ہوگا۔ اور تلافی نقصان کرے گا۔

[4] یہ مسئلہ مالکیہ کے نزدیک بھی اتفاقی نہیں ہے مالکیہ کے اس میں تین قول ہیں ایک قول وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ فتح العلی المالک ص ۲۵۵ ج ۱-۱۲

رقم مع منافع حاصل کرے ۔ قمار اور ربوا دونوں حرام ہیں (۲) بیمہ میں صفقتان[1] فی صفقۃ پایا جاتا ہے ۔ اس کی مخالفت نص حدیث سے ثابت ہے اور اس کی ممانعت پر ائمہ اربعہ کا اتفاق واجماع ہے ۔ (۳) بیمہ سے نظام میراث درہم برہم ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ بیمہ دار کے نامزد کردہ شخص کو بیمہ کی رقم دی جاتی ہے ۔ جب کہ ہر شرعی وارث مال متروکہ کا حقدار ہے ۔ (۴) عقد صرف[2] ہے ۔ جس میں مجلس میں قبضہ ضروری ہوتا ہے اور یہاں یہ شرط مفقود ہے (۵) عقیدہ تقدیر پر ایمان کا تقاضا ہے کہ پیش آنے والے حوادث اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیئے جائیں اور یہاں بیمہ کرانے والے اس عقیدہ سے فرار کرتے ہیں ۔ کیونکہ وہ پہلے سے حوادث و موت کی پیش بندیاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔

بیمہ کے بارے میں علامہ ابن عابدین کا فتویٰ

اب ہم علامہ ابن عابدین الشامی کے فتویٰ کی تلخیص درج کرتے ہیں واضح ہو کہ یہ مسئلہ "مستامن" کے باب میں ذکر کیا گیا ہے ۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان تاجروں کو ہلاک شدہ مال کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ التزام ومالا یلزم[3] کی صورت ہے اگر یہ کہا جائے کہ امانت رکھنے والا ، امانت کی حفاظت پر اجرت وصول کر لے اور مال ضائع ہو جائے تو وہ ضامن ہوتا ہے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بیمہ کے مسئلہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہاں مال بیمہ کمپنی کی تحویل

---

[1] یعنی ایک معاملہ کے ختم ہونے سے پہلے اس میں دوسرا معاملہ داخل کر دیا جائے ۔

[2] عقد صرف روپے کی بیع روپے سے یا سونے چاندی کی آپس میں بیع کو صرف کہتے ہیں اس میں شرط ہے کہ معاملہ کرنے والے مجلس ختم ہونے سے پہلے مال پہ قبضہ کر لیں ۔

[3] جو چیز قانوناً لازم نہ ہو اس کو اپنے ذمہ لازم کر لینا ۔ ۱۲

میں نہیں ہوتا بلکہ بحری جہاز کے مالک یا اس کے ملازموں کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور اگر یہ صورت ہو کہ بیمہ کمپنی کا جہاز بھی ہو تب بھی ہلاک شدہ مال کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہوگا[1]۔ کیونکہ اس صورت میں بیمہ کمپنی اجیر مشترک سمجھی جائے گی جس نے حفاظت مال اور مال لے جانے دونوں کی اُجرت لی ہے اور ظاہر ہے کہ اجیر مشترک ناگہانی آفات سے مال تلف ہو جانے کی صورت میں ضامن نہیں ہوتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ باب الکفالۃ میں ایک مسئلہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ اس راستہ پر سفر کرو راستہ قابل اطمینان ہے شخص مذکور نے راستہ پر سفر کیا۔ سفر میں مال ضائع ہو گیا۔ تو اطمینان دلانے والا شخص ضامن نہیں ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر اس نے ضمانت کے الفاظ بولے اور کہا کہ تیرا مال چھیننے کی صورت میں ضامن ہوں، راستہ میں مال چھین لیا گیا تو ضمانت دینے والا نقصان کا معاوضہ دے گا۔ شارح معنی صاحب درمختار[2] نے دونوں مسئلوں میں فرق اس طرح کیا ہے کہ دوسرے مسئلہ میں ضمانت کے الفاظ صراحتاً پائے جاتے ہیں کیونکہ "انا ضامن" (میں ضامن ہوں) لفظوں میں موجود ہے اور پہلے مسئلہ میں اس طرح نہیں ہے۔ جامع الفصولین[3] میں وجہ فرق اس طرح بیان کی ہے

---

[1] بعض فقہا کے نزدیک یہ صورت جائز ہے حضرت مولانا تھانویؒ نے بھی جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

[2] تنویر الابصار ایک متن ہے جو شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ التمرتاشی کی تصنیف ہے۔ اسکی شرح شیخ محمد بن علی بن محمد الحصکفیؒ نے پہلے تو خزائن الاسرار و بدائع الافکار کے نام سے تالیف فرمائی جو الواب الوتر تک دس ضخیم جلدوں میں پہنچی تھی۔ یہ شرح ناتمام رہی پھر دوسری شرح الدر المختار کے نام سے تالیف فرمائی اس شرح کا حاشیہ علامہ ابن عابدین شامی نے رد المختار کے نام سے تحریر کیا جو علماء کے درمیان متداول و معروف ہے۔ [3] اس کے مؤلف شیخ بدرالدین محمود بن اسمٰعیل ہیں جو "قاضی سماوہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ کتاب صرف معاملات میں ہے۔

کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ غرر[1] میں آنے والا، غرر دینے والے سے ضمان اسوقت لے گا جب کہ غرر کسی عقد معاوضہ کے ضمن میں پایا جائے یا دھوکہ دینے والا دھوکہ دیئے ہوئے شخص کے حق میں صفتِ سلامتی کا ضامن ہو مثلاً ایک شخص کسی چکّی والے کے پاس گیہوں پسانے کے لئے لایا۔ چکّی والے نے اس سے کہاکہ اس برتن میں ڈالدو اتفاق سے برتن میں سوراخ تھا۔ اور چکی والا اس سے واقف بھی تھا۔ تب بھی اس نے گیہوں برتن میں ڈالنے کے لئے کہہ دیا۔ گیہوں سب ضائع ہو گئے۔ چکّی کا مالک نقصان کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے عقد اجارہ کے ذیل میں دھوکہ دیا حالانکہ معاملہ کا تقاضا یہ تھا کہ مال کی حفاظت رہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں قید ضروری ہے کہ دھوکہ دینے والا نقصان سے واقف ہو۔ اور دوسرا شخص اس سے واقف نہ ہو۔ . . .

اب ظاہر ہے کہ بیمہ کمپنی کا مقصد تاجروں کو دھوکہ دینا نہیں ہوتا۔ اور نہ ان کو جہاز کے ڈوب جانے یا آگ لگنے وغیرہ کا علم ہوتا ہے۔ رہا عام خطرہ تو وہ تاجر اور بیمہ کمپنی دونوں کو ہوتا ہے۔ کیونکہ تاجر بیمہ کراتے ہی اسوقت ہیں جب اُن کو خطرہ ہو اور ہلاک شدہ مال کا معاوضہ لینے کی طمع ہو لہٰذا بیمہ

---

[1] غـرر۔ غرر کے معنی ہیں کسی کو دھوکہ دینا اور غلط طریقے سے اس کو طمع میں ڈالنا۔ دھوکہ دینے والے کو غارّ اور دھوکہ کھائے ہوئے کو مغرور کہتے ہیں۔ غرر کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) غرر قولی یعنی زبان سے معاملہ میں دھوکہ دے مثلاً یہ بکری دو سیر دودھ دیتی ہے۔ اور وہ اتنا نہ دیتی ہو۔ (۲) غرر فعلی یعنی فعل سے دھوکہ دینا۔ جیسے گیہوں فروخت کرنے والا خراب گیہوں نیچے کر دے اور اچھے گیہوں اوپر کر دے۔ واضح رہے کہ غرر خطر کے معنی میں بھی فقہ کی زبان میں بولا جاتا ہے یعنی ملک کو ایسی چیز پر موقوف کرنا جس کے پائے جانے یا نہ پائے جانے دونوں کا احتمال ہو جس طرح کہ قمار (جوا) میں ہوتا ہے قمار کی علت غرر اور خطر فقہ کی زبان میں بتلائی جاتی ہے۔ ۱۲

کے مسئلہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ۔ البتہ اگر مسلمان تاجر کا کوئی حربی شریک ہو اور وہ دار الحرب میں بیمہ کمپنی سے معاملہ طے کرے اور مال ہلاک ہونیکی صورت میں معاوضہ کی رقم میں کچھ مسلمان تاجر کا بھی حصہ لگالے تو یہ رقم مسلمان کے لئے حلال ہے کیونکہ "عقد فاسد" دار الحرب میں رہنے والے دو شخصوں کے درمیان ہوا ہے اور دار الحرب والوں کا مال ان کی رضامندی سے مسلمانوں کو پہنچا ہے ۔ لہٰذا اس کے لینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مسلمان تاجر دار الحرب میں ہوتا ہے اور وہاں ان کے سامنے یہ معاملہ طے کرتا ہے اور معاوضہ دار الاسلام میں لیتا ہے، کبھی اس کے برعکس بھی صورت ہوتی ہے ۔ یعنی معاملہ دار الاسلام میں طے ہوا اور وصولی دار الحرب میں ہوئی پہلی صورت میں معاوضہ لینا جائز ہے کیونکہ دار الحرب میں طے کیا ہوا معاملہ کالعدم سمجھا جائے گا اور یہ کہیں گے کہ حربی کا مال اس کی خوشی سے لیا گیا ہے اس لئے جائز ہے ۔ دوسری صورت میں عقد چونکہ دار الاسلام میں قرار پایا ہے ۔ اس لئے عقد پر فساد کا حکم لگایا جائے گا اور معاوضہ لینا ناجائز متصور ہوگا ۔

جواب کی طرف...

اب ہم اصل سوالنامہ کے جواب کی طرف رجوع کرتے ہیں، ہم اپنے جواب کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں ۔ پہلے حصہ کا تعلق نظام بیمہ کی اصلاح سے ہے ۔ اس طرح کہ وہ شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو جائے "تعاون علی الخیر" کا یہ نظام جو اب قمار (جوا) اور ربوا کا مجموعہ نظر آتا ہے ۔ اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہو کر ان لوگوں کے لئے قابلِ قبول ہو ۔ جو اپنے معاملات کو اسلام کی ہدایت اور روشنی سے درخشاں رکھنا چاہتے ہیں ۔

بعض اسلامی ملکوں میں اب اس قسم کی فکر ہو رہی ہے کہ سودی نظام سے جس

ؔ علامہ شامی کے زمانہ میں سودی بیمہ نہیں ہوتا تھا ۔ اس لئے سود سے بحث نہیں کی ہے ۱۲

نے ہماری معاشی زندگی کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے اور جس نے قوم کی اجتماعی دولت کو گھن کی طرح کھا لیا ہے۔ گلو خاصی کی کوئی صورت نکلے، اسی طرح بیمہ کی اصلاح اور اس کو صحیح خطوط پر لانے کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے، یہ جذبہ بڑا قابل قدر ہے اور ضرورت ہے کہ "اقتصادیات" کے منتخب ماہرین اور ارباب بصیرت علماء ساتھ بیٹھ کر حلال و حرام کی حدیں پیشِ نظر رکھ کر بیمہ کاری کا ایسا نظام دریافت کریں۔ جس میں شریعت محمدیہ سے سرمو تجاوز نہ ہو۔ عام مسلمانوں سے بھی ہماری گذارش ہے کہ وہ اپنی حکومتوں پر جو اسلام کا نام لیتی ہیں، زور دیں اور اُن پر اجتماعی وزن ڈالیں کہ وہ اُن کو سود اور قمار کی لعنت سے نجات دلائیں، ان سے صاف صاف کہہ دیا جائے کہ اس یہودی نظام نے ہماری دنیا بھی خراب کر رکھی ہے اور آخرت بھی۔ اس کے برعکس یہ طریق کار صحیح نہیں ہے کہ صرف ماہرین شریعت کی طرف رجوع کر کے اُن سے کہا جائے کہ بیمہ کو حلال کر دیں یا ضرورت و مجبوری کے نام پر کوئی حیلہ نکالیں۔

اُن علماء کا کردار بھی قابل مذمت ہے۔ جو یورپ کے ماہر اقتصادی نظام کی چند خوبیاں یا خوشنما پہلوؤں کو دیکھ کر جواز اور حلت کا فتویٰ دینے میں نہایت جری ہیں، ان حضرات کو قرآن حکیم کی آیت کریمۂ ذیل پیش نظر رکھنا چاہئے۔

ولا تقولوا لما تصف السنتکم	اور نہ کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے
الکذب ھٰذا حلال وھٰذا حرام	کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ اللہ تعالیٰ
لتفتروا علی اللہ الکذب ، ان	پر جھوٹا بہتان باندھو، بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ
الذین یفترون علی اللہ الکذب	تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہیں۔ کبھی کامیاب
لا یفلحون [1]	نہیں ہونگے۔

مجوزین کے دلائل کا خلاصہ آپ پڑھ چکے ہیں، دلائل کی سطحیت بالکل ظاہر ہے مثلاً اس دلیل کو آپ کیا کہیں گے کہ بیمہ کا سود "حلال" ہے کیونکہ قرض میں سود

[1] النحل ع ۲۰ پارہ ۱۴

نہیں ہوتا، ان حضرات کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن کریم کی آیت ربوا سود تجارت اور سودی قرض کے جاہلی نظام کو ختم کرنے کے لئے نازل ہوئی تھی۔ جاہلی نظام میں قرض اور تجارت دونوں کے ذریعہ سود لیا جاتا تھا۔ امام ابوبکر الجصاص الرازی احکام القرآن میں لکھتے ہیں:۔

والثانی انہ معلوم ان ربا الجاهلية انما كان قرضاً موجلاً بزيادة مشروطة فكانت الزيادة بدلاً من الاجل فابطله الله وحرمه[1]	دوسری بات یہ ہے کہ یہ امر بالکل عیاں ہے کہ زمانہ جاہلیت کا سود قرض میعادی کی شکل میں لیا جاتا تھا جس میں زیادتی شرط کرلی جاتی تھی۔ زیادتی میعاد کا بدل ہوتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو باطل قرار دیا۔ اور حرام فرمایا

مغنی ابن قدامہ میں ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا گیا کہ وہ کون سا ربوا ہے جس کے انکار سے کفر لازم آتا ہے۔ امام موصوف نے جواب دیا۔

هو الزيادة فی الدین	وہ قرض میں زیادتی[2] ہے۔

ربوا کے بارے میں احادیث نبویہ کا حاصل یہی ہے کہ ربوا صرف روپے کے لین دین تک محدود نہیں ہے بلکہ ربوا کے سلسلہ میں بہت سی صورتیں داخل ہیں حتیٰ کہ اُن صورتوں کو بھی حرام کر دیا گیا جن میں اُدھار نہیں ہے بلکہ نقد معاملہ ہے مثلاً ایک تولہ چاندی لے کر دو تولہ چاندی دیدے یا ایک من نقد گیہوں دے کر اس کے معاوضہ میں دو من گیہوں نقد لے[3] لے۔ الغرض حدیث پاک نے ربوا کے

---

[1] ص ۵۵۴ ج ۱ [2] دین کا ترجمہ قرض کے ساتھ نامکمل سا ہے کیونکہ دین ما ثبت فی الذمہ (جو بھی انسان کے ذمہ آ جائے اس) کو کہتے ہیں۔ اس میں بدل قرض، ثمن مبیع وغیرہ سب داخل ہیں۔ شریعت کی اس اصطلاح کے نہ جاننے سے بھی لوگ عجیب قسم کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

[3] اس کو اس طرح سمجھ لیجئے کہ ایک من عمدہ گیہوں دیکر دو من خراب گیہوں لیلے۔ یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ اموال ربویہ (یعنی جن اموال میں ربوا ہوتا ہے) میں برابری ضروری ہے خواہ صفت میں تفاوت ہی کیوں نہ ہو۔

پیشے بھی اسلام کے معاشی نظام سے نکال کر پھینک دے تاکہ اسلامی معاشرہ اس نجاست سے بالکل صاف و پاک ہو جائے۔

فقہ حدیث کی شرح ہے جس طرح حدیث قرآن کریم کی۔ اس لئے کہ فقہاء کرام نے ان ہی صورتوں کی تفصیلات مرتب کی ہیں جو حدیث میں بیان کی گئی تھیں اس لئے فقہ کی کتابوں میں سود کے مباحث دیکھ کر بعض نام نہاد علماء اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ قرآن نے جس سود کو حرام کیا ہے وہ قرض والا سود نہیں ہے۔ بلکہ خرید و فروخت کی چند نادر شکلوں میں سود پایا جاتا ہے جو ایام جاہلیت میں مروّج نہیں اور جن کا ذکر فقہ کی کتابوں میں کیا گیا ہے۔

بعض نے تعاونوا علی البر والتقوی اور لا یظلمون[1] ولا یظلمون اس قسم کی عمومی آیات سے استدلال کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات ربوا اور میسر (جوے) کی آیات کو بالکل بھول گئے ہیں۔ دلائل خصوص کے ہوتے ہوئے دلائل عموم سے سہارا لینا قابلِ تعجب ہے۔

بیمہ کس لئے

شروع میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ بیمہ کی ابتداء نہایت سادہ تھی اور اس کا مقصد بھی صرف یہی تھا کہ نقصان زدہ تاجروں کو مالی امداد دی جائے، یا اس طرح کہہ لیجئے کہ ایک فرد کی مصیبت کے بار کو بہت سے افراد پر پھیلا دیا جائے اس طرح کہ ہر ایک کو ایک خفیف سی قربانی دینا پڑے لیکن اس قربانی کے عوض جملہ افراد کو مصیبت و آفت کے وقت تعاون حاصل ہو، تعاون علی الخیر کا یہ جذبہ بڑا قابلِ قدر ہے، قرآن کریم نے اس جذبہ کو متعدد آیات میں ابھارا ہے اور حدیث نبوی میں اس کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

بیمہ کرانے والے شخص کے پیش نظر دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کے انتقال کے بعد اس کے بیوی بچوں کو تکلیف اٹھانا نہ پڑے، اس مقصد کو

---

[1] دیکھئے فتاویٰ شلتوت ص ۳۵۰، ۳۵۲

بھی ہم اسلامی نقطۂ نگاہ سے غلط نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ تعلیم نبوی اس کو صحیح اور بہتر قرار دے رہی ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

انک ان تدع ورثتک اغنیاء	تمہارا اپنے ورثہ کو غنی چھوڑنا اس سے کہیں
خیر من ان تدعھم عالۃ	بہتر ہے کہ ان کو ایسا محتاج چھوڑو کہ وہ
یتکففون الناس	لوگوں سے سوال کرتے پھریں۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔

ان امرکن	تمہارے معاملہ نے مجھ کو فکر میں ڈال رکھا
مما یھمنی	ہے کہ تمہاری گذر میرے بعد کیونکر ہوگی (یعنی
من بعدی[1]	میں نے کوئی میراث نہیں چھوڑی ہے اور تم
	نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی ہے۔)

اپنے دنیا سے چلے جانے کے بعد بیوی بچوں کی فکر ایک فکری داعیہ ہے۔ اس لئے اسلام نے ان کو ختم نہیں کیا بلکہ اس کی ہمت افزائی کی ہے اسلام کی خصوصیت ہے کہ وہ فطری اور جبلّی دواعی کو ختم نہیں کرتا بلکہ اُن کے لئے مناسب اور جائز راہیں تجویز کرتا ہے۔

بیمہ کا شرعی حل

طالب بیمہ کے حسب ذیل مقاصد بیان کئے جاتے ہیں۔ ۱۔ اس کا سرمایہ محفوظ رہے۔ ۲۔ اضافہ مال بذریعہ سود یا تجارت ۳۔ حوادث کی صورت میں مالی معاونت، موجودہ زمانہ میں حادثوں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔ آئے دن ہولناک قسم کے حوادث ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں جانی اور مالی دونوں قسم کے حوادث سے بے اندازہ نقصان ہوتا ہے۔ ۴۔ پسماندگان کی مالی امداد۔

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۶۷، ج ۲

اب ان کا ترتیب وار حل درج ہے۔

(۱-۲) ان دونوں باتوں کا حل یہی ہے کہ "غیر سودی بینک" جاری کئے جائیں جن کی اساس شرکت[1] اور مضاربت[2] پر قائم کی جائے اسطرح سرمایہ کی حفاظت بھی ہوگی اور مال میں بھی جائز طریقوں سے اضافہ ہوتا رہے گا۔ اسلام کے معاشی نظام کا جس شخص نے بغور مطالعہ کیا ہوگا وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اسلام "ارتکاز دولت" کا حامی نہیں ہے کہ روپیہ ایک جگہ جمع کر دیا جائے اور بدون تجارت اس سے منافع حاصل کیا جائے، روپیہ سے روپیہ حاصل کرنا اسلام کے نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہے، سرمایہ میں جو لوگ اضافہ چاہتے ہیں اُن کے لئے تجارت کی شاہراہ کھلی ہوئی ہے۔ تجارت سے سرمایہ دار کا بھی فائدہ کہ سرمایہ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ اور زکوٰۃ دولت کو ختم نہیں کرے گی اور ملک و قوم کا بھی فائدہ ہے کہ تجارت کو فروغ ہوگا۔ سرمایہ تجوریوں سے نکل کر منڈیوں اور بازاروں میں پہنچے گا۔ صنعت اور انڈسٹری کی کثرت ہوگی۔ مزدوروں اور ملازمت پیشہ لوگوں کو کام ملے گا، واضح رہے کہ اسلام اپنے معاشی نظام کی بنیاد زکوٰۃ پر رکھتا ہے برخلاف سرمایہ دارانہ نظام کے کہ وہاں سود ریڑھ کی ہڈی کا حکم رکھتا ہے۔ قرآن کریم نے اسلام کے معاشی نظام کو مختصر سے مختصر لفظوں میں اس طرح سمجھایا ہے۔

کی لا یکون دولۃ	تاکہ نہ آئے لینے دینے میں صرف دولت
بین الاغنیاء[3]	مندوں کے تم میں سے

آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ مصارف (اس سے پہلے مصارف بتلائے گئے ہیں۔) اس لئے بتلائے ہیں۔ کہ ہمیشہ یتیموں، محتاجوں، بے کسوں اور عام مسلمانوں کی خبر گیری ہوتی رہے اور عام اسلامی ضروریات سرانجام پاسکیں۔ یہ

---

[1] سرمایہ اور کام مشترک ہو اس کو شرکت کہتے ہیں۔ اس کی کئی قسمیں ہیں۔

[2] ایک کا سرمایہ ہو دوسرے کا کام یہ مضاربت کہلاتا ہے، تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

[3] الحشر پارہ ۲۸ ع

اموال محض چند دولت مندوں کے الٹ پھیر میں پڑ کر ان کی مخصوص جاگیر بن کر نہ رہ جائیں جس سے صرف سرمایہ دار اپنی تجوریوں کو بھرتے رہیں اور غریب فاقوں سے مریں۔

غیر سودی بینک کا اجراء کوئی محض تخیلی چیز نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے جس کو بڑی آسانی سے بروئے کار لایا جاسکتا ہے[1]۔ یورپ کی ذہنی غلامی نے دماغوں پر یہ عقیدہ مسلط کر دیا ہے کہ سود کے بغیر معاشی نظام چل ہی نہیں سکتا۔ ان حضرات کو معلوم ہونا چاہئے۔ کہ آج بھی کچھ ممالک ترقی کی راہ پر گامزن ہیں بلکہ ان کی معاشی حالت سودی نظام اور بینکنگ کا سارا کاروبار موجود نہیں ہے اور بایں ہمہ وہ ممالک ترقی کی راہ پر گامزن ہیں بلکہ ان کی معاشی حالت سودی ملکوں سے زیادہ بہتر ہے۔ اگر کچھ اسلامی حکومتیں ہمت کر کے سود کے اس نظام سے نجات حاصل کر لیں تو بین الاقوامی طور پر بھی اس کا اثر ہو، بینک آف انگلینڈ قسم کے بین الاقوامی بینک ان ملکوں کو غیر سودی کاروبار کی سہولتیں مہیا کریں۔ اور لوگوں کا یہ عذر کہ ہم سود کے بغیر بین الممالک تجارت کس طرح کر سکتے ہیں ختم ہو جائے۔

۳۔ "دنیا حوادث کی آماجگاہ ہے" یہ مقولہ پہلے بھی صادق تھا اور اب تو ایسی حقیقت بن چکا ہے جس سے انکار ناممکن ہے، روزانہ حادثے ہوتے رہتے ہیں جن میں جانی اور مالی دونوں قسم کے نقصانات ہوتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کل تک ایک بھلا چنگا آدمی ہاتھ پیروں سے صحیح و سالم تھا آج اچانک کسی حادثے کی زد میں آ گیا اور اپاہج ہو کر رہ گیا، اس اپاہج انسان کے ساتھ اس کا خاندان بھی مصائب و حوادث کا شکار ہے۔ نہ پیٹ بھرنے کو روٹی ہے اور نہ تن ڈھانپنے کو کپڑا رہا۔ اسی طرح ایک بڑا صنعت کار جو کل تک ایک بڑی انڈسٹری کا مالک تھا۔ اچانک کارخانہ

[1] ماہنامہ "المسلمون" جو جنیوا سے زیر ادارت جناب سعید رمضان صاحب شائع ہوتا ہے اس میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پیرس، کا "غیر سودی بینک" پر ایک مقالہ چھپا ہے۔ جس میں صاحب موصوف نے بتلایا کہ ریاست حیدر آباد مرحوم میں ایک مرتبہ اس کا عملی تجربہ بھی کیا جا چکا ہے۔ اور اس کو خاصی کامیابی ہوئی تھی"۔

میں آگ لگ گئی مشینری اور سارا سامان جل کر راکھ ہو گیا اور وہ اب نانِ جویں کو بھی محتاج ہے، پھر ہر روز بسوں، موٹروں کے حادثے ہماری زندگی کا روزمرہ بن چکے ہیں آخر ان نقصانات کی تلافی کس طرح ہو اور اس کا حل شریعتِ اسلامی میں کیا ہے؟

اس کا حل یہی ہے کہ امداد باہمی اور تعاون علی الخیر کے جذبہ کے تحت ایسے ادارے قائم کئے جائیں جو ارباب خیر اور مال داروں سے عطیات وصول اور ان سے جمع شدہ قوم کو تجارت اور انڈسٹری میں لگائیں۔ ان اداروں کا کام یہ ہو کہ وہ تحقیق حال کے بعد نقصان زدہ افراد اور خاندانوں کی مالی امداد کریں اس سلسلہ میں "عام ادارے" بھی بنائے جا سکتے ہیں اور "خاص" بھی، خاص کی یہ صورت ہو کہ تاجر اپنا الگ ادارہ بنائیں، صنعت کار اپنا الگ۔

اسلامی حکومت اگر اس سلسلہ میں جبر کرنا چاہے تو جبر بھی کر سکتی ہے کیونکہ حکومت کو زکوٰۃ کے علاوہ بھی بعض صورتوں میں رعایا سے جبری عطیات وصول کرنے کا حق ہے۔

فان ارید بہا ما یکون بحق	اگر اس سے وہ ٹیکس مراد ہیں جو جائز اور صحیح
ککری النھر المشترک واجر	ہیں اور جیسے مشترک نہر کا کھودنا، پولیس کی تنخواہ
الحارس والموظف لتجہیز	یا فوج کا انتظام کرنیوالوں کی تنخواہ جو سب پر
الجیش وفداء الاساری	ڈالدی جائے یا قیدیوں کو کافروں کے قید
وغیرھا جازت الکفالۃ	سے چھڑانے کے لئے عطیات تو اتفاقاً ان کی
بہا علی الاتفاق [1]	کفالت کی جا سکتی ہے۔

"ضررِ عام" "ضررِ خاص" سے مقدم ہے یہ بھی تو اسلامی قانون کا اصول ہے ان تعاونی اداروں کے علاوہ دوسرا اقدام یہ ہو کہ معاقل کے اسلامی نظام کو پھر سے اسلامی معاشرہ میں جاری کیا جائے۔

---

[1] ہدایۃ باب الکفالۃ ص ۱۰۹ - ج ۳

معاقل

مَعَاقِلُ ۔ مَعْقُلَۃٌ ۔ کی جمع ہے۔ "خون بہا" کو کہتے ہیں، عقل کے معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں اور دیت کے طریق کار سے لوگوں کی جانیں مفت میں چلی جانے سے محفوظ ہو جاتی ہیں۔ اس لئے خون بہا کو عقل کہتے ہیں اور عَاقِلۃ اس جماعت کو کہتے جو قاتل کی طرف سے اجتماعی طور پر "خون بہا" ادا کرتی ہے۔

ہجرت کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے درمیان "بھائی چارہ" قائم کرایا تو ایک دستاویز بھی تحریر فرمائی جس میں دونوں کو ایک جماعت قرار دے کر حوادث اور نقصانات کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالی۔

محدث کبیر ابن ابی شیبہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔

کتب رسول اللہ صلی اللہ	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
علیہ وسلم کتاباً بین المہاجرین	انصار اور مہاجرین کے لئے ایک تحریر لکھوائی
والانصار ان یعقلوا معاقلھم	جس میں یہ تھا کہ انصار اور مہاجرین ایک
وان یفدوا عانیھم	دوسرے کی دیت ادا کریں گے اور اگر کوئی
بالمعروف والاصلاح [1]	قید ہو جائے تو اس کا فدیہ ادا کریں گے
	قاعدہ قانون اور اصلاح باہمی کے طریق پر۔

قبائلی سسٹم میں "قبیلہ" عاقلہ سمجھا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دواوین کو ترتیب دیا تو "اھل الدیوان" عاقلہ قرار پائے پیشوں کی بنیاد پر بھی ایک پیشہ والوں یعنی برادری کو عاقلہ قرار دیا جاسکتا ہے

ولھذا قالوا لو کان الیوم	اسی بنا پر مشائخ نے فرمایا ہے کہ اگر آج کل
قوم تناصرھم بالحرف	تناصر (اعانت باہمی) پیشوں کے طریق پر رائج
فعاقلتھم اھل	ہوتا ہو تو ایک پیشہ میں منسلک افراد (برادری)
الحرفۃ [2]	عاقلہ قرار دیئے جائیں گے۔

[1] نصب الرایہ للزیلعی ج ۴ [2] ہدایہ کتاب المعاقل ص ۶۱۲ ج ۴

عاقلہ پر ذمہ داریاں ڈالنے کی غرض وغایت اور اس کی حکمت امام سرخسی اس طرح بیان کرتے ہیں عاقلہ پر ذمہ داریاں ڈالنا عقلی طور پر یوں سمجھیئے۔

قاتل جب فعل قتل کا ارتکاب کرتا ہے۔ تو اس اقدام میں خارجی قوت وطاقت کو بڑا دخل ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ قتل کی پاداش میں جب میں پکڑا جاؤں گا۔ تو میرے حمایتی (قبیلہ یا برادری) میری مدد کو پہنچیں گے۔ اب حمایت ونصرت کے چند اسباب ہوتے ہیں۔ کبھی یہ اہل دیوان کی یکجہتی پر مبنی ہوتی ہے کبھی قبیلوں اور خاندان والوں کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ کبھی محلے اور پیشوں کی بناء پر ہوتی ہے۔ چونکہ قاتل ضرورت کے وقت ان سے ہی قوت وطاقت حاصل کرتا ہے، اس لئے خون بہا بھی ان ہی پر لگایا جائے گا۔ تاکہ یہ لوگ اپنے میں سے ناسمجھ اور بے قوف لوگوں کو اس قسم کی حماقتوں سے روکیں خون بہا کا مال بھی کافی مقدار میں ہوتا ہے اس لئے سب پر ڈالنے سے وصولی میں بھی آسانی ہو جاتی ہے۔ ہر ایک شخص ادا بھی اس خیال سے کر دیتا ہے کہ کل اگر مجھ سے بھی اس قسم کا فعل سرزد ہو گیا تو یہی لوگ میرا خون بہا ادا کریں گے۔ [1]

اسی طرح اگر کسی مقام پر کوئی مقتول پایا جائے اور قاتل کا پتہ نہ چل سکے تو وہاں کی آبادی از روئے شرعی اجتماعی طور پر اس کا خون بہا ادا کرتی ہے۔

لہٰذا ان مسائل کی روشنی میں ایسا طریق کار اختیار کیا جا سکتا ہے کہ حادثات کی صورت میں ہر پیشہ کا عاقلہ (برادری یا یونین) خون بہا ادا کرے۔ مثلاً بسوں اور ٹرکوں کے مالک ایک عاقلہ قرار دیئے جائیں، کسی کی بس سے کوئی جانی یا مالی نقصان ہو جائے تو ان کی انجمن ادائیگی نقصان کی ذمہ دار ہو اس سلسلہ کو دوسرے پیشوں اور حرفوں تک بھی پھیلایا جا سکتا ہے اور ان کے قواعد وضوابط بنائے جا سکتے ہیں۔ عاقلہ پر ذمہ داری ڈالنا یقیناً ان حوادث میں کمی کا باعث بھی بن سکتا ہے جب

---

[1] المبسوط للسرخسی ص ۶۶ ج ۲۶

کہ حوادث میں بے پناہ اضافہ ہوگیا ہے اور دن بدن ہو رہا ہے اور اب تو انشورنس کے نظام کی وجہ سے یہ عالم ہوگیا ہے کہ لوگ خود اپنی موٹروں، بسوں، ٹرکوں کو حادثہ کا شکار بنانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اس طریقہ سے بیمہ کمپنی سے معقول رقم وصول کی جائے۔ رہی قانونی گرفت تو اس سے بچنے کی راہیں تو ملک کے نرم قوانین اور پھر وکلاء کی موشگافیوں نے بڑی حد تک ہموار کر رکھی ہیں۔

۴۔ چوتھا مقصد بیمہ کا یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ پسماندگان کی مالی امداد بڑی حد تک ہو جاتی ہے لوگ بیمہ اس لئے کراتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد کس مپرسی کے عالم میں مبتلا نہ ہو، اس مقصد کے سلسلہ میں عرض ہے کہ اگر کسی جگہ اسلامی نظام معیشت کی ترویج صحیح معنی میں ہو تو کوئی باپ اپنے مرنے سے اس لئے خوف زدہ نہیں رہ سکتا کہ میرے مرنے کے بعد میری اولاد مصیبتوں کی شکار ہوگی کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسلام کے دستور مملکت میں یہ دفعہ بھی شامل ہے۔

حدثنا محمود قال اخبرنا اسرائیل	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ سے روایت ہے کہ
عن ابی حصین عن ابی صالح عن	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں
ابی هریرة قال قال رسول اللہ	مومنین سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب
صلی اللہ علیہ وسلم انا اولی بالمؤمنین	ہوں لہذا جو شخص مال چھوڑ کر مرے تو وہ مال
من انفسهم فمن مات وترک مالا	تو اس کے عصبات کا ہے اور جو شخص عاجز و
فماله للموالی العصبة ومن ترک	درماندہ قرابت دار اور چھوٹے چھوٹے بچوں
کلا او ضیاعا فلادع لہ[1]	کو چھوڑے تو مجھے اس کے لئے بلایا جائے۔

نہ صرف شخص متوفی کے پسماندگان کی مالی امداد اسلامی حکومت کے ذمہ ہے بلکہ اگر اس پر کسی کا قرض بھی ہو تو اس کو بار آخرت سے سبکدوش کرانا اور قرض خواہ کو اس کا حق دلوانا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے چنانچہ سرور کائنات نے ارشاد فرمایا۔

فمن مات وعلیہ	پس جس شخص نے انتقال کے بعد قرض آپ چھوڑا

[1] بخاری ص ۹۹۹ ج ۲

دین ولم یترک	اور اس کی ادائیگی کا کوئی سامان نہیں ہے
وفاءً فعلی قضاء لا لہ	تو میرے ذمہ اس کی ادائیگی ہے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ عام ناداروں اور غریبوں کی کفالت بھی اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں میں داخل ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض وقت قرض لے کر ناداروں اور غریبوں کی دادرسی فرمائی اور ان کو ننگا بھوکا نہیں رہنے دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہد رسالت میں اس ادارہ کے نگران تھے۔ ابو داؤد اور بیہقی نے بلال کی زبانی یہ روایت بیان کی ہے۔

وکنت انا الذی الی ذلک عنہ	اور میں ہی آپ کی بعثت سے لے کر وفات
منذ بعثہ اللہ الی حین توفی	تک اس کا نگران تھا۔ آپ کے پاس اگر کوئی
وکان علیہ السلام اذا اتاہ	مسلمان ننگا بھوکا آجاتا تھا تو آپ مجھے حکم
الانسان مسلماً فرآہ عاریا یامرنی	دیتے تھے میں جا کر کسی سے قرض لیتا تھا پھر
فانطلق فاستقرض فاشتری لہ	اس رقم سے اس کے لئے کپڑے اور کھانے
البردۃ فاکسوہ واطعمہ[1]	کا انتظام کرتا تھا۔

اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہدایت تھی۔

انفق بلالاً ولا	بلال! خوب خرچ کیا کرو اور اللہ تعالیٰ کی
تخش من ذی	ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے تنگدستی سے نہ
العرش اقلالاً[2]	ڈرا کرو۔

غلاموں کے اوپر خرچ کرنے میں اگر کسی آقا سے کوئی کوتاہی ہو جاتی تھی تو ان کے اخراجات بھی اس ادارہ کے ذمہ ہوتے تھے، مروان بن قیس دوسی کے حالات میں مروی ہے کہ اُن کے اخراجات پورا کرنے میں ہمیشہ بخل سے کام لیتے تھے، ان دونوں

---

[1] سنن ابی داؤد و مسند احمد [2] التراتیب الاداریۃ

[3] الاشرف لابن المنذر بحوالہ التراتیب الاداریۃ ص ۲۴۴ ج ۱

نے بارگاہِ رسالت میں شکایت کی، شکایت سنتے ہی حضرت بلال کو حکم دیا گیا۔

فامر بلالاً ان یقوم بنفقتھما [1]	بلال کو حکم دیا کہ ان دونوں کے نفقہ کا انتظام کریں۔

ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ ایک شخص کے پاس مال وغیرہ سب کچھ ہے لیکن اس کے بچے چھوٹے ہیں ڈرتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد مال متروکہ کو صحیح طریقہ پر خرچ نہیں کیا جائے گا۔ مال کی نگرانی اور اس کی حفاظت میں دشواریاں ہوں گی۔ اس لئے اپنے مال کو بیمہ کمپنی کے سپرد کر دیتا ہے تاکہ مال نقصان سے محفوظ رہے اور بچوں کی ضرورت (تعلیم شادی وغیرہ) کے موقعہ پر ان کے مصارف پورے ہوتے رہیں۔ اس صورت کا حل "وصایۃ" کے نظم میں موجود ہے یعنی اس شخص کو چاہیئے کہ کسی کو اپنا وصی مقرر کر جائے ـــــ "وصی" کے باضابطہ فرائض ہیں اور وہ ان کے لئے مسئول ہے جس کو فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اجمالی فرائض کا نقشہ ھدایۃ میں اس طرح دیا گیا ہے۔

شراء کفن المیت وتجھیزہ وطعام الصغار وکسوتھم ورد الودیعۃ ورد المغصوب والمشتری شراءً فاسداً وحفظ الاموال وقضاء الدیون وتنفیذ الوصیۃ والخصومۃ فی حق المیت وقبول الھبۃ وبیع ما یخشی علیہ التوی والتلف وجمع الاموال الضائعۃ [2]	میت کے کفن کی خریداری اور اس کی تجہیز و تکفین چھوٹے نابالغ بچوں کے خورد و نوش اور کپڑوں کا انتظام امانت اور غصب کئے ہوئے اموال کی اور بیع فاسد سے خریدے مال کی واپسی، مال وجائیداد کی حفاظت قرضوں کی ادائیگی، وصیت کے نفاذ کے انتظامات، مرنے والے کے کسی حق کے لئے نالش کرنا، ہبہ قبول کرنا، جن چیزوں کے خراب ہونے کا ڈر ہو انکو فروخت کرنا گمشدہ اموال کی واپسی کی کوشش کرنا۔

[1] الاصابہ ترجمہ مروان بن قیس دوسی [2] ہدایہ ص ۶۷۹ ج ۵ نہایت الارب فی معرفۃ انساب العرب

"وصایت" کے نظم پر عہد رسالت اور دور صحابہ میں برابر عمل ہوتا رہا، چنانچہ جعفر بن ابی طالب کی شہادت کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کے دونوں صاحبزادوں محمد اور عبداللہ رضی اللہ عنہما کی "وصایت" کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے فرمایا۔

انا ولیھم فی الدنیا والآخرۃ — میں دنیا اور آخرت دونوں میں انکا سرپرست ہوں

اور صاحب "سمط الجوہر الفاخر" نے ایسے متعدد یتیم بچوں کے نام گنائے ہیں جن کے آپ وصی تھے جن میں سے تین کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ محمد بن عبداللہ بن جحش: ان کے والد ماجد غزوہ اُحد میں شہید ہو گئے تھے۔ شہادت سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وصی مقرر فرمایا۔ آپ نے ان کے لئے خیبر میں زمین خریدی جس سے ان کے اخراجات پورے ہوتے تھے اور مدینہ منورہ کے "سوق الرقیق" میں ایک گھر بطور عطیہ دیا جس میں ان کی رہائش تھی۔

۲۔ ام زینب بنت نبیط: ان کے والد سعد بن زرارہ نے آپ کو وصی مقرر کیا تھا۔

۳۔ قبیلہ بنی لیث بن بکر کی ایک بچی: اس کے بھی آپ وصی تھے۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ بار "وصایت" کے اٹھانے میں بڑے مشہور تھے چنانچہ ان کو سات جلیل القدر صحابہ حضرت عثمان، عبدالرحمن بن عوف، مقداد بن الاسود ابن مسعود، زبیر بن بکار مطیع بن الاسود، ابو العاص بن الربیع، رضی اللہ عنہم نے وصی مقرر کیا تھا[۱]۔ ابو عبداللہ السنوی نے سات کے بجائے ستر کا ذکر کیا ہے چنانچہ کہا ہے۔

واصی الیہ سبعون من الصحابۃ	ستر صحابہ نے ان کو اپنے اموال و اولاد کا نگراں
باموالھم واولادھم فحفظھا و	مقرر کیا تھا حضرت زبیر ان پر اپنا مال بھی خرچ
کان ینفق علیھم من مالہ[۲]	کر دیا کرتے تھے۔

اگر کسی نے اپنا وصی مقرر نہیں کیا ہو تو اس کے اموال کی حفاظت اور اولاد کی صیانت کے لئے حاکم کو حق دیا گیا ہے کہ وہ وصی مقرر کردے ورنہ "بیت المال" میں ان

---

[۱] اسد الغابۃ الاصابۃ تذکرہ حضرت زبیر [۲] شرح ہمزیہ بحوالہ الترتیب الاداریۃ ۱۲

کے اموال جمع کرے اور حسب ضرورت خرچ کرتا رہے۔

جواب کا حصہ دوم

سوالنامہ کے فاضل مرتب نے جو سوالات قائم کئے ہیں، یہاں ہم ان کو مع جوابات ترتیب سے درج کرتے ہیں۔

۱۔ انشورنس کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے۔ اس میں کمپنی جو رقم بطور سود دیتی ہے جس کا نام وہ اپنی اصطلاح میں منافع رکھتی ہے، شریعت کا اصطلاحی ربوا ہے یا نہیں۔

بیمہ کی حقیقت جن حضرات کے پیش نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ بیمہ میں دو طرح سے شریعت کا اصطلاحی ربوا پایا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ بیمہ کمپنی بیمہ داروں سے جو رقم وصول کرتی ہے وہ ضرورت مندوں کو سود پر قرض دیتی ہے۔ دوسرے بیمہ داروں کو ان کی کل اقساط کی ادائیگی پر جو رقم زائد بطور منافع دیتی ہے وہ سود ہوتی ہے۔ کیونکہ بیمہ دار جو رقم بصورت اقساط جمع کرتا ہے وہ دین[1] ہے اور دین میں اجل (میعاد) کے مقابلہ میں جو "منافع" بطور مشروط[2] یا معروف دیا جائے وہ شرعی اور اصطلاحی ربوا ہے۔ جس کی حرمت قرآن کریم، احادیث نبوی اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ علاوہ ازیں خود سوالنامہ کے مرتب کو اعتراف ہے۔

> "حقیقت کے لحاظ سے انشورنس کا معاملہ ایک سودی کاروبار ہے جو بینک کے کاروبار کے مثل ہے، دونوں میں جو فرق ہے وہ شکل کا ہے حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

---

[1] دین کی اصطلاح پچھلے صفحات میں سمجھائی جا چکی ہے۔ دیکھو صفحہ ۴۱

[2] مشروط کا مطلب تو یہ ہے کہ معاملہ کے وقت زبانی یا تحریری شرط لگائی جائے مثلاً کہہ دیا جائے کہ ہم سو روپے سینکڑہ منافع دیں گے۔ معروف کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ کے وقت زبانی یا تحریری شرط نہیں لگائی۔ لیکن عام دستور ہے کہ دو روپیہ سینکڑہ نفع دیا جاتا ہے تو یہ بھی مشروط کے حکم میں ہے۔ اسی لئے شریعت کا قاعدہ ہے المعروف کالمشروط یعنی معروف بھی مشروط کی طرح ہے۔

جن نام نہاد علماء نے انشورنس کے کاروبار کو بالکل جائز قرار دیا ہے۔ ان کے پاس لے دے کے صرف یہ دعویٰ رہ جاتا ہے کہ قرض میں جو منافع دیا جاتا ہے وہ شرعی اصطلاحی ربوٰا نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ بالکل غلط ہے اور شریعت محمدیہ پر بہت بڑا بہتان ہے ہم اس دعوے کی تردید پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں اور بتلا چکے ہیں کہ قرآن کریم کی آیت ربوٰا قرض و تجارت ہر دو کے جاہلی نظام کو ختم کرنے کے لئے نازل ہوئی تھی۔ جاہلی نظام میں قرض اور تجارت دونوں کے ذریعہ سود لیا جاتا تھا۔ اور یہ ایسی واضح حقیقت ہے کہ اس سے انکار ناممکن ہے، ہمارے سارے اسلامی لٹریچر کا ایک ایک حرف اسکی دلیل ہے پچھلے صفحات میں ہم امام ابوبکر الجصاص الرازی کی زبانی آیت ربوٰا کا پس منظر بتلا چکے ہیں۔ یہاں اس پر مزید اضافہ حاضر خدمت ہے حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

وروی مالک عن	امام مالک زید بن اسلم سے آیت ربوٰا کی تفسیر
زید بن اسلم فی	میں اس طرح روایت کرتے ہیں، جاہلیت کا
تفسیر الآیۃ قال	ربوٰا اس طرح ہوتا تھا کہ ایک کا دوسرے پر
کان الربوا فی الجاھلیۃ	کوئی حق ہوتا تھا (حق عام ہے، قرض ہو،
ان یکون للرجل	خریدی ہوئی چیز کی قیمت ہو یا کچھ اور) اور
علی الرجل حق الی	اس کی ادائیگی کی ایک مدت مقرر ہوتی تھی
اجل فاذا حل	جب مدت آجاتی تھی تو وہ کہتا تھا کہ ادا کرو
قال اتقضی ام	گے یا سود دو گے؟ وہ اگر ادا کر دیتا تھا تو
تربی فان قضاہ	رقم میں اضافہ نہیں ہوتا تھا ورنہ وہ اس
اخذ والازاد فی حقہ	کے حق (مال میں اضافہ) کر دیا کرتا تھا اور دوسرا
وزاد الاخر فی الاجل	اس کے عوض مدت بڑھا دیا کرتا تھا[1]

اور ابن رشد الکبیر "المقدمات" میں لکھتے ہیں۔

---

[1] ص ۲۶۴ ج ۴

وکان ربا الجاهلیۃ فی الدیون	جاہلیت کا ربوٰا (سود) دیون میں ہوتا تھا۔
ان یکون للرجل علی الرجل	ایک شخص کا دوسرے ذمہ کچھ واجب الادا دین
الدین فاذا حل قال لہ اتقضی	ہوتا تھا جب ادائیگی کی میعاد آجاتی تھی تو وہ
ام تربی فان قضاہ اخذ و	اس سے معلوم کرتا تھا کہ ادائیگی کا ارادہ ہے
الا زادہ فی الحق	یا سود دینے کا اگر مدیون ادا کر دیتا تو وہ اپنی
وزادہ فی الاجل فانزل	اپنی رقم (بغیر سود) لے لیتا ورنہ مدیون رقم
اللہ فی ذالک ما انزل	میں اضافہ کر دیتا اور دائن میعاد میں۔ تو
	آیات ربوا نازل فرمائیں۔

اس ربوا کو حلال سمجھنے والے کے بارے میں فتویٰ دیتے ہیں۔

فمن استحل الربا فھو	جو شخص ربوا کو حلال سمجھے وہ کافر ہے جس
کافر حلال الدم یستتاب	کو قتل کرنا حلال ہے۔ پہلے اس سے توبہ کرائی
فان تاب والا قتل قال اللہ	جائے گی۔ توبہ کرے تو بہتر ہے، ورنہ قتل کر
عزوجل ومن عاد فاولئک	دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ
اصحاب النار ھم	جو لوگ ممانعت کے باوجود پھر سود لیتے ہیں
فیھا خلدون [۲]	وہ دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہینگے

آئمہ مجتہدین نے بھی اس سے یہی سمجھا ہے۔ امام محمد بن ادریس القرشی المطلبی الشافعی فرماتے ہیں۔

وذالک ان الربا منہ یکون	ربوا نقد میں بھی ہوتا ہے اور ادھار میں
فی النقد بالزیادۃ فی الکیل	بھی نقد میں تو یہ ہے کہ ناپ تول میں اضافہ کر
والوزن ویکون فی	دیا جائے ادھار میں یہ ہے کہ میعاد کی زیادتی
الدین بزیادۃ الاجل	کے عوض دین میں اضافہ کر دیا جائے [۳]

---

[۱] دیون دین کی جمع ہے، دین کی تشریح جو ہم سابق میں کر چکے ہیں۔ پیش نظر رکھیں۔

[۲] بر حاشیہ مدونۃ الکبریٰ ص ۱۹ ج ۳ [۳] الام ص ۱۲، ۱۳ ج ۳

پھر یہ مسئلہ ایسا اجتماعی اور اتفاقی ہے۔ کہ کسی کو اس سے سرِ مو انحراف کی گنجائش نہیں ہے، قاضی ابوالولید ابن رشد رقم فرماہیں۔

علماء کا اتفاق ہے کہ ربوٰا دو چیزوں میں پایا جاتا ہے۔ ۱۔ تجارت کی بعض صورتوں میں ۔ ۲۔ اس چیز میں جو ذمہ میں آجائے۔ مثلاً خریدی ہوئی چیز کی قیمت یا قرض یا سلم وغیرہ۔ ذمہ میں جو چیز آجائے اس کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو متفق علیہ ہے اور وہ زمانہ جاہلیت کا ربوا ہے جس کی ممانعت کی گئی ہے اور اس کی صورت یہ تھی کہ وہ میعاد کے اضافہ کے بدلے اصل واجب الادا رقم میں اضافہ کر دیا کرتے تھے وہ کہتے تھے انظرنی ازدک (مدت بڑھا دو میں اس کے عوض بڑھتی دے دوں گا) یہ وہی سود ہے۔ جس کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جاہلیت کا ربوا ختم کر دیا گیا ہے۔ اور سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کے ربوٰا کو ختم کرتا ہوں" [۱]

شیخ ابوبکر بن العربی نے احکام القرآن میں آیت ربوا پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کے ایک حصہ کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

الربا لغت میں زیادتی کو کہتے ہیں، زیادتی میں مزید علیہ یعنی وہ چیز جس پر زیادتی کی جائے، ہونا ضروری ہے، اس بنا پر اختلاف ہوا کہ یہ آیت ہر قسم کے ربوا کے حرام ہونے میں عام ہے یا یہ مجمل ہے۔ جس کے لئے حدیث کے بیان و تشریح کی ضرورت ہے؟ صحیح یہی ہے کہ آیت عام ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں جو ربوا رائج تھا وہ بالکل مشہور و معروف طریقہ پر ان کے یہاں رائج تھا (اس میں نہ کوئی ابہام ہے نہ اجمال)، ایک شخص کسی سے کوئی چیز خرید کر قیمت اسی وقت ادا نہیں کرتا تھا۔ بلکہ ادائیگی کی ایک مدت مقرر کر لی جاتی تھی۔ جب میعاد پوری ہوتی تو فروخت کرنے والا

---

[۱] بدایۃ المجتہد ص ۱۰۶ ج ۲

خریدار سے پوچھنا۔ تیرا ارادہ ادائیگی کا ہے ۔ یا سود دینے کا ؟ جیسا وہ جواب دیتا اس کے مطابق عمل ہوتا، اللہ تعالیٰ نے ان سب کو حرام فرمایا ۔

یہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ زیادتی مزید علیہ (جس پر زیادتی کی جائے) کے بغیر ممکن نہیں ہے لہذا جب کسی چیز کو غیر جنس[1] کے مقابلہ میں فروخت کیا جائے تو زیادتی (بڑھتی) ظاہر نہیں ہوتی اور جب جنس کے مقابلہ میں فروخت کیا جائے جب بھی زیادتی اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتی ۔ جب تک کہ شریعت اس کو ظاہر نہ کرلے[2] اسی لئے یہ آیت بعض لوگوں کو مشکل معلوم ہوئی اور مختلف قسم کے اشکالات میں مبتلا ہوگئے ۔ لیکن جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے شریعت کے علوم کی روشنی عطا فرمائی ہے ۔ وہ آیت کریمہ کو سمجھنے میں کسی قسم کی دقت محسوس نہیں کرتے جن لوگوں کا خیال ہے کہ آیت مجمل ہے وہ لوگ درحقیقت شریعت کے محامل قطعیہ کو نہیں سمجھتے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی قوم کی طرف مبعوث فرمایا جن کی زبان، عربی تھی، تجارت، بیع اور ربوا وغیرہ الفاظ ان کے یہاں عام طور پر سمجھے جاتے تھے لہذا ان کو ان معاملات میں صحیح اور سچی بات کی ہدایت کی اور ان چیزوں سے منع کیا جو ناجائز اور غلط تھیں ۔ چنانچہ ارشاد فرمایا :۔

لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ، (ترجمہ) ایمان والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے، واضح رہے کہ یہاں باطل سے مراد یہ ہے کہ کسی کے مال کو عقد معاوضہ میں بغیر عوض کے لے لینا ۔

[1] مثلاً روپے کا عوض کوئی جنس گیہوں کپڑا وغیرہ خریدا جائے ۔ [2] چنانچہ شریعت نے ہدایت کی کہ اس صورت میں زیادتی نہ کی جائے ۔ بلکہ برابری کے ساتھ موازنہ کیا جائے [3] باطل تو ہر حال میں حرام ہے خواہ رضامندی ہو یا نہ ہو، تجارت میں رضامندی کی قید لگائی ہے ۔ شریعت (باقی صفحہ ۵۸ پر)

اور تجارت، بیع (خرید و فروخت) کے ہم معنی ہے (پھر اس کی قسمیں بتلائی ہیں۔) اور ربو الغت میں زیادتی (بڑھوتری) کو کہتے ہیں۔ اور آیت میں ربوا سے مراد ہر وہ زیادتی ہے جس کے مقابلے میں عوض نہ ہو۔ دونوں آیتوں[1] کا کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع مطلق کو حلال کیا ہے جس میں بشرط صحتِ قصد و عمل معاوضہ پایا جائے اور جس میں معاوضہ اس طریقہ پر نہ پایا جائے وہ حرام ہے اہل جاہلیت میعاد اور مدت کے عوض میں بڑھنی کے خواہاں ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ بیع تو ربوا کی طرح ہے یعنی جس طرح ایک شخص قیمت میں زیادتی لے سکتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے کہ میعاد پر نہ دینے کی صورت میں مدت کے عوض زیادتی لے لے۔ ان کے اس خیالِ باطل کو رد فرمایا۔

اب یہ قرار پایا کہ

اموال ربویہ میں معاوضہ کی مقدار (یعنی مساوات) شریعت نے اپنے ذمہ لے لی ہے اب کوئی شخص ان میں زیادتی کسی طرح کی میعاد وغیرہ کے مقابلہ میں نہیں لے سکتا[2]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ربوا کی بڑی جامع ومانع تعریف بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔

الربوا ھو القرض علی ان یودی الیہ اکثر و افضل مما اخذ[3]	ربوا وہ قرض ہے جو اس شرط پر ہو کہ قرض دار، قرض خواہ کو جتنا لیا ہے۔ اس سے زیادہ اس سے اچھا واپس کر دے۔

(صفحہ ۵۷ سے آگے) نے جن معاملات کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے، ان میں طرفین کی رضامندی مؤثر نہیں۔ (حوالہ آیت) سورۃ النساء پارہ ۵ ع ۴

[1] یعنی آیت ربوا و آیت تجارت   [2] احکام القرآن ابن العربی ۲۴۲ ج ۱

[3] حجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۰۶ ج ۲

ربوا شرعی پر علامہ محمود الحسن خاں ٹونکیؒ صاحب معجم نے بڑی دقیق بحث فرمائی، ہم یہاں اس کا ایک حصہ نقل کرتے ہیں۔

ربوا اور بیع لغات عرب میں سے ہیں، جب تک کوئی اصطلاح شرعی توقیفی، خلاف لغت کے مغیر نہ ہو، کتاب وسنت کے معنی لغت عرب سے معلوم ہوتے ہیں، ربوا لغۃً " زیادہ "ہے اور لسان العرب وغیرہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ حقیقت بیع کی " معاھدہ فی تعاوض الاموال" ہے۔ پس لغوی اعتبار سے ربوا کی تعریف یہ ہے کہ تعاوض الاموال کے معاہدہ میں عوضین متماثلین میں سے ایک عوض کا دوسرے عوض پہ زیادت مذکور ہونا" اذکور نہ ہو بلکہ معروف ہو اس کا بھی یہی حکم ہے اباجماع امت ربوا دو قسم پر ہے ایک حسی جس کو کتاب اللہ نے لاتاکلو الربا اضعافاً مضاعفۃ میں بیان فرمایا ہے۔ اور حدیث صحیح الفضل ربوا میں اسی حسی ربوا کو ہی بیان کیا گیا ہے اور حدیث لا تاخذ والدینار بالدینارین ولاالدرھم بالدرھمین رطبرانی عن ابن عمر بھی بحق ربوا کتاب اللہ کی تفسیر ہے اور تفسیر اضعافاً کے تحت داخل ہے۔ حدیث بخاری کی ربا حسی کی مفسر ہے۔ الذھب بالذھب مثلاً بمثلٍ (رواالبخاری) یعنی فضل ربوا ہے۔ پس اسی حسی ربوا میں شارع نے لغوی معنیٰ میں مغائرت پیدا نہیں فرمائی پس حسی ربا، شرعی" کی بھی وہی تعریف ہے۔ جس کی عربی عبارت یہ ہے:" الفضل الخال عن العوض المشروط فی البیع " دوسرا ربا، حکمی "ہے کہ حسًا تفاضل عوضین میں نہیں ہے، لیکن شارع نے سدًا الباب الربا صورت تماثل کو بھی" ربوا حسی" کے حکم میں قرار دیا ہے۔ جب کہ معاوضۃ یدًا بید نہ ہو کیونکہ مادہ ربوا کا تاخیر وتاجیل ہے اور بغیر تاخیر کے فضل غیر متعامل ہے اسی معنیٰ پر محمول ہے۔ حدیث مسلم لاربا فیما کان یدًا بیدٍ، فضل حسی کا دروازہ" اسی ربا،

حکمی" سے مفتوح ہے کہ تجارت حاضرہ میں "فضل حسّی عادۃً" ناممکن ہے۔
اسی ربا حکمی کو شارع نے حدیث نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع دینار اور حدیث الذھب بالورق ربا الاھا وھا اور الحدیث فی الاشیاء الستۃ میں بیان فرمایا ہے [1]

اقتباسات طویل ہوگئے اس لئے ان کا خلاصہ ذہن نشین کر لیجئے۔
ربوا شرعی اصطلاحی قرض اور تجارت دونوں میں پایا جاتا ہے۔
ربوا شرعی کو تجارت کی صرف چند شکلوں کے ساتھ خاص کرنا، اسلام پر افترا ہے۔
اسلام کی نظر میں "مہاجنی اور تجارتی سود" دونوں حرام ہیں، صرف مہاجنی سود کو "حرام" قرار دینا اور "تجارتی سود" کو جائز قرار دینا شریعت سے ناواقفی کی دلیل ہے۔
ہر وہ چیز جو ذمہ پر آجائے اس میں زیادتی "مشروط" یا "معروف" طریقہ پر لینا سود ہے خواہ وہ بیع کی صورت میں ہو یا قرض کی یا سلم کی شکل میں ہو۔
انشورنس اور بینکنگ میں شرعی ربوا پایا جاتا ہے۔
زیادتی کی شرط کا لفظوں میں بیان کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ جو شرط معروف ہو وہ بھی مشروط کے حکم میں ہے۔
شریعت میں "حقیقت [2]" کا اعتبار ہوتا ہے، "تسمیہ" (نام رکھ لینے) کا

---

[1] رسالہ سود بحوالہ لغات القرآن ج ۳ لفظ ربا۔ [2] شریعت کا مشہور قاعدہ ہے۔ انما العبرۃ فی العقود للمعانی لا للفاظ۔ یعنی کسی معاملہ کی حقیقت کا اعتبار ہوگا اور اس کے لحاظ سے شرعی احکام جاری ہوں گے نام رکھنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ ربوا کا نام اگر "منافع" رکھ لیا جائے تو اس سے وہ حلال نہیں ہوگا بنی اسرائیل پر جب چربی حرام ہوگئی تھی تو انہوں نے اس کا دوسرا نام رکھ لیا تھا اور کھانا شروع کر دیا تھا۔

نہیں۔ شریعت نے جن عقود و معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور ان میں حرام و حلال کا فیصلہ فرما دیا ہے اُن میں طرفین کی رضامندی سے کچھ فرق نہیں پڑتا، شریعت کے حکم کو پیش نظر رکھا جائے گا طرفین کی رضامندی اس پر اثرانداز نہیں ہو گی۔

۲۔ اگر سود مذکور شرعی اصطلاحی ربوا ہے تو کیا مصالح مذکورہ کے پیش نظر اسکے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اگر نکل سکتی ہے تو کیا؟

مصالح مذکورہ کی بنا پر انشورنس جو ربوا اور قمار دونوں پر مشتمل ہے، کی اجازت نہیں دی جا سکتی، امام ابواسحاق الشاطبی نے "الاعتصام" میں اس موضوع پر ایک مستقل باب لکھا ہے۔ اس میں مفصل دلائل سے ثابت کیا ہے۔ کہ "مصالح مرسلہ" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شریعت نے ہمیں کھلی چھٹی دے دی ہے کہ "مصالح" کو سامنے رکھ کر جس طرح چاہیں قوانین اسلام میں ترمیم کرتے رہیں بلکہ اس کے لئے تین اہم شرطیں ہیں۔

اوّل | "مصالح" کے پیش نظر جو قانون بنایا جائے وہ شریعت کے مقاصد کے مطابق ہو نہ کہ ان کے خلاف۔

دوم | جب وہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ تو عام عقلیں اس کو قبول کریں۔

سوم | وہ کسی حقیقی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہو[1]

اس کے علاوہ امام موصوف نے "الموافقات" میں "مفاسد اور مصالح" پر سیر حاصل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ "مصالح" وہی معتبر ہیں جو شریعت کی نگاہ میں مصالح ہوں اور شریعت جن کا اعتبار کرے۔ صرف چند ظاہری فائدوں کو "مصالح" نہیں کہا جائے گا۔ مثلاً شریعت نے "نکاح فاسد" کو قابلِ

---

[1] الاعتصام ص ۱۱۰ ج ۲

قبول نہیں سمجھا، حالانکہ اس میں بعض مصالح نظر آتے ہیں۔ جیسے نسب کا ثابت ہونا میراث کا دیا جانا وغیرہ۔

بحث کے آخر میں فرمایا۔

"وہی مصالح قابل اعتبار ہیں جو اسباب مشروعہ سے
حاصل ہوں۔ اسباب غیر مشروعہ سے حاصل ہونے
والے مصالح شریعت کی نگاہ میں مصالح نہیں ہیں[1]

علاوہ ازیں یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ایسے احکام جو قرآن و حدیث میں منصوص ہوں، وہاں مصالح و مفاسد کی بحث ہی پیدا نہیں ہوتی، ربوا اور قمار دونوں کی حرمت قرآن کریم سے ثابت ہے اس لئے کوئی مصلحت اس حرام کو حلال نہیں کر سکتی۔

۳۔ زندگی کے بیمہ، املاک اور ذمہ داری کے بیمہ کے درمیان شرعاً کوئی فرق ہوگا یا تینوں کا حکم ایک ہی ہوگا۔

تینوں قسمیں ربوا اور قمار پر مشتمل ہیں اس لئے تینوں کا حکم ایک ہی ہے

۴۔ معاملہ کی یہ شرط کہ اگر بیمہ شدہ شخص یا شئے وقت معین سے پہلے تلف ہو جائے تو اتنی، جب کہ تلف ہونے کے وقت کا تعین غیر ممکن ہے اس معاملہ کو قمار کی حدود میں تو داخل نہیں کر دیتی ہے۔

بلاشبہ قمار ہے، قمار کے بارے میں علمائے شریعت نے جو قاعدہ لکھا ہے وہ یہ ہے، تعلیق الملک علی الخطر والمال فی الجانبین[2] اور بیمہ پر یہ قاعدہ بالکل صادق ہے اس لئے اس پر قمار کا حکم لگایا جائے گا۔ اور قمار کی حرمت

---

[1] ص ۲۴۳ ج ۱ [2] یعنی ملک کو کسی ایسی چیز پر موقوف کرنا جو ہونے یا نہ ہونے کا احتمال رکھے جس طرح بیمہ ہوتا ہے کہ اگر پہلے مرگیا تو اس قدر رقم کا مالک ہوگا ورنہ اتنی رقم نہیں ملے گی۔ قمار (جوا) ہونے کی دوسری شرط یہ بھی ہے کہ دونوں طرف مال ہو اگر ایک طرف مال ہو دوسری طرف نہ ہو تو قمار نہیں ہے۔

نص قرآن ثابت ہے۔ قمار کی حرمت میں غرر اور خطر[1] کی ساری صورتیں داخل ہیں۔ ابو بکر الجصاص الرازی آیت میسر کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

ولاخلاف بين اهل العلم	قمار (جوے) کی حرمت میں کسی کا بھی اختلاف
في تحريم القمار وان المخاطرة	نہیں ہے، اسی طرح اس امر میں بھی کہ
من القمار، قال ابن عباس	"خطر" کی ساری صورتیں قمار میں داخل ہیں
ان المخاطرة قمار وان اهل	ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "خطر قمار ہے اہل
الجاهلية كانوا يخاطرون	جاہلیت مال اور بیوی سب کو جوئے کی بازی
على المال والزوجة و	پر لگادیا کرتے تھے اور شروع میں اس کی
قد كان ذالك مباحا	اباحت تھی یہاں تک کہ اس کی حرمت
الى ان ورد تحريمه[2]	نازل ہوگئی۔

غرر اور خطر میں انجام سے بے خبری ہوتی ہے، ملک العلما فرماتے ہیں۔

والغرر ما يكون مستور العاقبة[3]	غرر وہ ہے جس میں انجام سے بے خبری ہو[3]

حاصل یہ ہوا کہ مال کو بازی پر لگانا اور انجام سے بے خبر ہونا جوا ہے، اسیطرح وہ معاملہ جس میں دونوں طرف مال ہو اور انجام معلوم نہ ہو قمار کی حدود میں داخل ہے خواہ وہ خرید و فروخت کی شکل میں ہو یا بیمہ کی شکل میں۔

امام دار الہجرہ مالک بن انسؒ اسی قسم کے ایک معاملہ کی مثال دیتے ہیں۔

ان يعمد الرجل الى الرجل قد	ایک شخص کسی دوسرے شخص کے پاس آ
ضلت راحلته او دابته او غلامه	جائے جس کا اونٹ یا کوئی جانور یا غلام گم
وثمن هذه الاشياء خمسون دينارا	ہوگیا ہو اور ان کی قیمت مثلاً پچاس دینار
فيقول انا اخذها منك بعشرين	ہو، وہ جاکر اس سے گمشدہ چیز کو بیس

[1] غرر کی تشریح پہلے گذر چکی "خطر" جس کا وجود و عدم معلوم نہ ہو، "بیمہ میں خطر" واضح صورت میں پایا جاتا ہے کہ بیمہ شدہ شخص یا شئے کا وقت سے پہلے پہلے تلف ہونا معلوم نہیں ہوتا اور نہ کوئی وقت معین ہوتا ہے [2] احکام ۳۸۸ ج ۱ [3] بدائع ص ۶۸ ج ۳

دیناراً فان وجدها المبتاع	دینار میں خریدتا ہوں سو اگر خریدنے والے
ذهب من مال البائع ثلاثين	کو گمشدہ چیز مل جاتی ہے تو مالک کو تیس دینار
دیناراً وان لم يجدها ذهب	کا نقصان ہوگا اور اگر نہیں ملتی تو اس کو بیس
البائع منها بعشرين ديناراً	دینار مفت میں مل جائیں گے، ان دونوں
وهما لا يدريان كيف يكون	کو معاملہ کرتے وقت کچھ نہیں معلوم کہ کیا
حالها في ذالك ولا يدريان	ہوگا وہ چیز ملتی یا نہیں اور اگر ملتی بھی ہے
ايضا اذا وجدت تلك الضالة	تو کس حال میں اور یہ بھی نہیں معلوم کہ
كيف توجد وما حدث فيها	اس میں کیا زیادتی کمی ہو چکی ہے یہ سب
من امر الله مما يكون فيه	"خطر" میں داخل ہے ۔

نقصها و زیادتها فهذا اعظم المخاطرة[1]

۵ ۔ اگر یہ قمار ہے یا غرر ہے تو کیا مصالح مذکورہ کے پیش نظر اسے نظر انداز کرکے اس معاملہ کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے اور اگر نکل سکتی ہے تو کیسے ؟

جب تک بیمہ کا موجودہ نظام برقرار ہے، کوئی صورت نہیں نکل سکتی ۔

۶ ۔ اگر بیمہ دار مندرجہ اقسام بیمہ میں سے کسی میں سود لینے سے بالکل محترز رہے اور اپنی اصل رقم کی صرف واپسی چاہتا ہو تو کیا معاملہ جائز ہو سکتا ہے ۔

سود کے ساتھ ہی ساتھ بیمہ زندگی یا بیمہ املاک میں قمار کی جو صورت ہوتی ہے اس سے بھی احتراز کرے تب تو گنجائش نکل سکتی ہے لیکن ربوا اور قمار کے کاروبار کی اعانت و امداد کی قباحت بدستور رہے گی ۔

۷ ۔ جو رقم کمپنی بطور سود ادا کرتی ہے اسے ربوا کے بجائے اس کی جانب سے اعانت و امداد اور تبرع و احسان قرار دیا جائے ۔

---

[1] مدونۃ کبریٰ ۳۵۴ ج ۳

جب تک معاملہ کی حقیقت تبدیل نہ ہو صرف نام رکھ لینے یا سمجھ لینے سے مسئلہ شرعی میں فرق نہیں پڑتا۔

۸۔ اگر کوئی مسلمان کسی دارالحرب کا باشندہ ہو (مقامی نہیں)، اور کمپنی بھی حربیوں ہی کی ہو تو کیا اس صورت میں یہ معاملہ مسلمانوں کے لئے جائز ہوگا؟

دارالحرب میں فقہا نے "عقود فاسدہ"[1] کی اجازت دی ہے۔ عام کتابوں میں اگرچہ "مستامن" کی قید ہے لیکن شرح السیر الکبیر سے "حربی مسلم" کے لئے بھی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

ثم قد علم ان	پھر یہ امر معلوم ہے کہ "ربوا" دارالحرب
الربالایجری بین المسلم	اور دارالاسلام کے باشندوں کے درمیان
والحربی فی دارالحرب[2]	جاری نہیں ہے۔

اس کی دلیل بھی خود مؤلف کی زبانی سنئے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کب اسلام لائے، بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ غزوۂ بدر سے قبل ہی اسلام لا چکے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں گرفتار کر لئے گئے اور اس کے بعد اسلام لائے، پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے "مکہ" واپس جانے کی اجازت چاہی، آپ نے اجازت مرحمت فرمادی، مکہ میں سکونت پذیر رہے، اور وہاں سودی کاروبار فتح مکہ تک کرتے رہے حالانکہ سود کی حرمت اس سے قبل آچکی تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ نے اگر سود لیا ہوتو

---

[1] وہ معاملات جو شریعت کی نگاہ میں صحیح نہیں ہیں۔ البتہ ان میں رضامندی کی شرط ضروری ہے۔ غدر کی اجازت نہیں۔ [2] ص ۱۱۲ ج ۳

واپس کردو۔ علاوہ ازیں لاتاکلوا الربوا اضعافاً مضاعفۃ (سود
نہ کھاؤ، دوچند سہ چند) آیت کریمہ غزوہ اُحد کے زمانہ میں اُتری تھی۔
اور مکہ اس کے کئی سال بعد فتح ہوا، فتح مکہ کے زمانہ میں آپ نے
حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پچھلے سارے معاملات کو باطل قرار
نہیں دیا۔ سوائے ان معاملات کے جن میں ابھی تک قبضہ نہیں ہوا
تھا اس سے معلوم ہوا کہ حربی اور مسلم کے درمیان سودی معاملہ
ہوسکتا ہے [1]

ایک اور جزئیہ قابل ملاحظہ ہے۔

ولو کان المسلم فی منعۃ	اگر کوئی مسلمان، اہل اسلام کے لشکر میں
المسلمین فکلمہ الحربی من	ہو، حربی نے اپنے قلعہ سے مسلمان سے
حصنہ وعاملہ بھذہ المعاملات	گفتگو کی اور معاملاتِ فاسدہ میں سے
الفاسدۃ فیما بین المسلمین	کوئی معاملہ کرلیا، تو یہ امام محمدؒ کے نزدیک
فان ذالک لا یجوز،	جائز نہیں۔ البتہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ
وقد بیّنا ان کثیراً	ہمارے اکثر مشائخ اس مسئلہ میں بھی جواز
من مشائخنا یقولون	کے قائل ہیں۔ کیونکہ حربی کا مال مسلمان
بالجواز ھاھنا لان مال	کے حق میں (جب کہ اس میں دھوکہ فریب
الحربی مباح فی حق المسلم	نہ ہو) مباح ہے۔

دارالحرب سے دارالاسلام کی اگر صلح ہوجائے تب بھی اس قسم کے معاملات کی اجازت ہے۔

دارالحرب والوں نے دارالاسلام والوں سے اگر صلح کر رکھی ہو۔
اس زمانہ میں دارالاسلام کا باشندہ ان کے یہاں گیا اور ایک
درہم کو دو کے عوض بیچ دیا۔ تو اس میں حرج نہیں ہے کیونکہ

[1] شرح السیر الکبیر ص ۲۲۶ ج ۲

اس صلح سے دار الحرب دار الاسلام نہیں بن جاتا۔ مسلمانوں کے لئے تو
دار الحرب والوں کا مال ان کی خوشی اور رضامندی کے بغیر لینا حرام ہے
کیونکہ اس میں "عذر" (دھوکہ و فریب) پایا جاتا ہے۔ لیکن جب انہوں
نے خوشی اور رضامندی سے یہ معاملہ کیا ہے تو دھوکہ فریب کے
معنی معدوم ہو گئے اور ان سے لیا ہوا مال مباح ہو گیا [1]

دار الحرب میں "عقود فاسدہ" کے جواز کا مسئلہ صرف امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہی نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے بلکہ امام مالکؒ بھی اس کے جواز کے قائل ہیں البتہ امام موصوف کے نزدیک ایک شرط ہے وہ یہ کہ دار الاسلام سے دار الحرب کی صلح نہ ہو۔

سئل الامام مالکؒ هل بين	امام مالک رحمۃ اللہ سے سوال کیا گیا کہ مسلم
المسلم اذا دخل دار الحرب	اگر دار الحرب میں داخل ہو تو وہاں کے
وبين الحربي ربوا فقال	لوگوں سے سود لے سکتا ہے؟ امام مالکؒ
الامام هل بينكم وبينهم	نے دریافت کیا کہ کیا تم میں اور ان میں
هدنة؟ قالوا لا، فقال	صلح ہے؟ کہا گیا: نہیں تو آپ نے فرمایا
مالک فلا باس في ذلك [2]	کوئی حرج نہیں۔

علامہ شامی کے فتوے میں بھی حربیوں سے اس قسم کے معاملات کی اجازت آپ پڑھ چکے ہیں، لیکن یہ واضح رہے کہ ربوا اور قمار بنص قرآن حکیم حرام ہیں۔ اور ان دونوں پر سخت وعیدیں آئی ہیں اس لئے اس قسم کے معاملات سے احتراز کرنا ضروری ہے، انتہائی ضرورت و مجبوری کی حالت میں اس طرح کی گنجائش سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، اس موقعہ پر ایک غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے، لہٰذا اس کے ازالہ کے لئے ہم مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی عبارت نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

---

[1] شرح السیر الکبیر ص ۲۲۸ ج ۳ [2] المدونۃ الکبریٰ ص ۲۸۱

اسی مسئلہ کی بنیاد پر ایک اور معاشی سوال پیدا ہو گیا

یعنی

غیر اسلامی حکومت کسی غیر مسلم باشندہ کا روپیہ کسی ایسے ذریعہ سے جو اسلامی قانون کی رو سے لین دین کا قانونی اور شرعی ذریعہ نہیں ہے مثلاً ربوا یا قمار از یں قبیل کے کسی اور غیر شرعی ذریعہ سے کسی مسلمان کے قبضہ میں آجائے تو کیا قانوناً یہ مسلمان اس کا مالک ہو سکتا ہے یا نہیں چونکہ یہ ایک جائز اور مباح مال پر قبضہ ہے اور مباح وجائز مال کے مملوک ہونے کے لئے صرف قبضہ کافی ہے۔ مثلاً جنگل کے کسی پرندے کا شکار کر کے قبضہ کر لینا اس

پرندے کا مالک ہونے کے لئے کافی ہے - اسی لئے امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ اس قسم کے اموال کا مسلمان قانونی طور پر مالک بن جاتا ہے اور یہی اُن کا وہ مشہور نقطۂ نظر ہے جس کی وجہ سے حنفی فقہ کی عام کتابوں میں لاربوا بین الحربي والمسلم (الحربي غیر مسلم اسلامی حکومت کا باشندہ اور المسلم اسلامی حکومت کا باشندہ کے درمیان ربوٰا (سود نہیں ہے) کا ذکر پایا جاتا ہے گویا یہ بین الاقوامی قانون کی ایک دفعہ ہے۔ عوام چونکہ اس کے اصل منشاء سے واقف نہیں ہیں۔ اس لئے ان کو حیرت ہوتی ہے۔ کہ ربوٰا (سود) جب اسلام میں حرام ہے تو ہر جگہ اور ہر شخص سے لینا حرام ہونا چاہئے۔ حربي یعنی غیر اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ اس کے جائز ہونے کے کیا معنی؟ مگر سچی بات یہ ہے کہ حربی کے ساتھ یہ معاملہ ربوا کا معاملہ ہی نہیں ہے بلکہ ایک مباح مال

کو قبضہ میں لے کر اسے ملک بنانا ہے۔ اسی طرح یہ مسئلہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شرعی غلام اور آقا کے درمیان بھی اگر ربوآ کا معاملہ کیا جائے تو وہ بھی "ربوا" نہ ہوگا۔ ظاہراً اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ باوجود ربوا اور سود ہونے کے امام نے اس کو حرمت سے مستثنیٰ کیا ہے۔ بھلا! ایک مجتہد کو اس کا حق کیا ہے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ قانوناً غلام کا مال آقا ہی کا مال ہے الخ[1]

۹۔ اگر یہ کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہو تو کیا اس بناء پر کہ خزانہ حکومت میں رعیت کے ہر فرد کا حق ہوتا ہے۔ زیر بحث معاملہ میں سود کی رقم عطیہ حکومت قرار پا کر ربوا کے حدود سے خارج ہوسکتی ہے۔

اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ خزانہ حکومت میں رعیت کے ہر فرد کا حق ہوتا ہے تب بھی سود کی رقم ربوا کے حدود سے خارج نہیں ہوتی۔ کیونکہ "حق ملک" اور ملک میں بنیادی فرق ہے۔ حقِ ملک کو ملک قرار نہیں دیا جاسکتا، ملک کی صورت میں ربوا نہیں ہوتا۔ مثلاً شرعی غلام اور آقا اگر کوئی سودی معاملہ کریں تو اس کو سود نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ ملک غلام اور آقا کی واحد ہے، اسی طرح اگر ایک شخص اپنی آمدنی کو مختلف مدوں میں تقسیم کرکے الگ الگ رکھ لے پھر ایک مد کے لئے دوسری مد سے قرض لے اور اس میں کچھ رقم بطور سود لگالے تو وہ سود نہیں کہلائے گا۔ علاوہ ازیں جن دو شخصوں کے درمیان شرکت کا معاملہ ہوا اور وہ اس مال مشترک میں آپس میں کوئی سودی معاملہ کرلیں تو وہ بھی سود، نہیں ہوگا۔ شرکت کی وجہ سے دونوں کی "ملک" ایک سمجھی جائیگی۔

حقِ ملک کی صورت میں سود ہوگا مثلاً میاں بیوی جب کہ دونوں کی املاک علیحدہ ہوں، اگر آپس میں کوئی سودی لین دین کریں تو حرام اور ناجائز متصور ہوگا حالانکہ بیوی کو اپنے شوہر کے مال میں بقدر نفقہ حق ملک ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس

---

[1] اسلامی معاشیات ص ۴۰۸

باپ اور بیٹا اگر آپس میں ربوا کا معاملہ کریں تو اس پر حرام ہونے کا حکم لگایا جائے گا اور یہ کہنا کہ بیٹے کے مال میں باپ کا حق ہے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے انت ومالک لابیک [1] اس معاملہ کو ربوا کے حکم سے خارج نہیں کرسکتا۔

ملک العلماء "ربوا" جاری ہونے کی شرائط کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

ومنها ان لایکون البدلان ملکاً لاحد المتبایعین فانه لایجری الربا علی هذا یخرج العبد المأذون اذا باع مولاه درهما بدرهمین و لیس علیه دین انه یجوز لانه اذا لم یکن علیه دینا فما فی یده لمولاه فکان البدلان ملک المولیٰ فلا یکون هذا بیعاً فلا یتحقق الربا اذ هو مختص بالبیعات وکذلک المتفاوضان اذا تبایعا درهماً بدرهمین یجوز لان البدل من کل واحد منهما مشترک بینهما فکان مبادلة ماله بماله فلا یکون بیعاً ولا مبادلة حقیقة [3]

بدلین اگر معاملہ کرنے والوں کے ملک نہ ہوں تو سود جاری نہیں ہوگا۔ مثلاً عبد ماذون [2] اگر اپنے آقا کو ایک درہم کے عوض میں دو درہم بیچ دے اور غلام پر کسی کا دین نہ ہو تو یہ معاملہ جائز ہے کیونکہ دین نہ ہونے کی صورت میں غلام کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کے آقا کی ملک ہے لہذا بدلین آقا کی ملک ہیں۔ اس لئے یہ بیع ہی نہیں ہوئی۔ لہذا ربوا بھی نہیں ہوگا کیونکہ ربوا بیع کے ساتھ خاص ہے اسی طرح دو شریک جب اس طرح کا معاملہ کریں تو وہ بھی جائز ہے کیونکہ بدل مشترک ہے اسلیئے یہاں حقیقتاً بیع ہی نہیں ہوئی۔

حقیقت ملک اور حق ملک کا فرق ایک اور مسئلہ سے بھی واضح ہوگا، مسئلہ یہ ہے کہ بائع (فروخت کرنے والا) جب خریدنے والے سے کہے کہ میں نے تیرے ہاتھ یہ

[1] تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا

[3] بدائع الصنائع ص ۱۹۳ ج ۵

[2] عبد ماذون وہ غلام جس کو اس کے آقا نے تجارت کی اجازت دی ہو۔

مال فروخت کر دیا۔ اس کو "ایجاب" کہا جاتا ہے، ایجاب کے بعد خریدنے والے کو حق ہوتا ہے کہ وہ اس معاملہ کو قبول کرے یا نہ کرے بائع کے ایجاب کے بعد خریدنے والے کو قبول کرنے کا حق معاملہ کی مجلس تک باقی رہتا ہے لیکن اگر بائع کے ایجاب کرنے کے بعد جب کہ مشتری نے قبول نہ کیا ہو اپنے "ایجاب" سے رجوع کرے تو وہ رجوع کر سکتا ہے، اس صورت میں مشتری کا حقِ قبول سوخت ہو جائے گا۔ اس پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ مشتری کو جب مجلس کے اختتام تک حق قبول حاصل ہے تو بائع کو "ایجاب" سے رجوع نہیں کرنا چاہئے۔ اس اعتراض کا جواب صاحب عنایہ اس طرح دیتے ہیں کہ مشتری کو تو "حقِ ملک" حاصل ہے۔ لیکن بائع کو "حقیقت ملک" حاصل ہے۔ اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے "حقیقت ملک" اعلیٰ ہے اور "حقِ ملک" ادنیٰ لہذا اعلیٰ ادنیٰ کو سوخت کر دے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

فالجواب ان الایجاب اذا لم یکن	اس کا جواب یہ ہے کہ محض ایجاب سے
مفیداً للحکم وھو الملک کان الملک	جبکہ حکم یعنے ملک حاصل نہیں ہوتی تو ملک
حقیقۃ للبائع وحق التملک للمشتری	حقیقت کے لحاظ سے بائع کی ہے اور حقِ
وھو لا یمنع الحقیقۃ لکونھا	ملک مشتری کا حق "ملک"۔ "ملک کو منع نہیں کر
اقوی من الحق لا محالۃ [1]	سکتا کیونکہ وہ حق سے قوی تر ہے۔

۱۱۔ فرض کیجئے بیمہ کا کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہے، ایک شخص بیمہ پالیسی خریدتا ہے اور میعاد میں اصل مع سود کے وصول کرتا ہے لیکن سود کی رقم بصورت ٹیکس یا چندہ خود حکومت کو دے دیتا ہے۔

سود کا لینا "حرام" ہے اس لئے اسکو لے کر پھر واپس کر دینا ہے اس "حرام" کو حلال نہیں کر سکتا۔

۱۲۔ بیمہ دار اگر سود کی رقم بغیر نیت ثواب کسی دوسرے شخص کو امداد کے

[1] عنایہ برحاشیہ فتح القدیر ص ۸۰ ج ۵

طور پر دے دیتا ہے تو اس صورت میں انشورنش کا معاملہ کیا جائز ہو گا۔

اس صورت میں بھی انشورنس کے کاروبار کی اجازت نہیں ہے اِلّا یہ کہ ناواقفیت کی بنا پر اگر انشورنس کا معاملہ کرے اور اس سے رقم سود وصول ہو جائے تو یہی طریقہ ہے کہ کسی شخص کو بلا نیت ثواب امداد کے طور پر دیدے۔

۱۳۔ اگر انشورنس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو کیا مصالح وحاجات مذکورہ کو سامنے رکھ کر اس کا کوئی بدل ہو سکتا ہے جس میں مصالح مذکور موجود ہوں۔ اور اس پر عمل کرنے سے ارتکاب معصیت لازم نہ آئے اگر ہو سکتا ہے تو کیا انشورنس کی مروجہ شکل میں کوئی ایسی ترمیم ہو سکتی ہے جو اسے معصیت سے خارج کر دے اور مصالح مذکورہ کو فوت نہ کرے اگر ہو سکتی ہے تو کیا ہے۔

الف۔ اس کا بدل پچھلے صفحات میں ہم بتلا چکے ہیں

ب۔ جب تک کہ ربوا اور قمار موجود ہیں معصیت کے دائرہ سے خارج ہونا مشکل ہے۔

بیمہ مروجہ میں دو صورتیں جائز ہیں۔

۱۔ "ڈاکخانہ کا بیمہ" یہ جائز ہے کیونکہ "ودیعت" باجرہ میں داخل ہے جس طرح فیس دینا جائز ہے۔

۲۔ جہاز راں کمپنی اگر بیمہ بھی کرے اور مال کی ضمانت بھی دیدے تو مال تلف ہونے کی صورت میں اس کو ضامن بنایا جا سکتا ہے اور نقصان کا معاوضہ لیا جا سکتا ہے جب کہ تاجر نے اس کمپنی کے جہاز میں اپنا مال بھیجا ہو [۱]

[۱] ابن عابدین ص ۲۱۷ ج ۵ باب ضمان الاجیر

ضمیمہ

متعلقہ

رسالہ بیمہ کی اہمیت

— شائع کردہ —

جنرل منیجر ایسٹرن فیڈرل یونین انشورنس کمپنی لمیٹڈ

اس رسالہ میں بیمہ کمپنی کی طرف سے بہت لوگوں کی رائیں بیمہ کی اہمیت کے متعلق شائع کی گئی ہیں جن میں کچھ علماء کے اقوال و فتاوی بھی ہیں۔ عام رایوں کے متعلق تو ہمیں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ وہ ان کی شخصی رائیں ہیں جن کا مسئلہ شرعیہ سے تعلق نہیں البتہ علما کے جو اقوال و فتاوی نقل کئے گئے ہیں۔ ان میں سخت تلبیس اور مغالطہ ہے اور اس کا تعلق شریعت کے حکم سے ہے اس لئے اس کی حقیقت واضح کرنا ضروری ہے۔

جن علماء کے اقوال اس میں پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں بجز تین حضرات کے باقیوں کی طرف مروجہ بیمہ کا جواز منسوب کرنا قطعاً غلط اور تلبیس و مغالطہ ہے ان میں چند علماء کے اقوال تو خود ان کی تصریح کے مطابق اس پر مبنی ہیں کہ ان کو بیمہ کمپنی کے قواعد اور معاملات کا علم ہی نہیں تھا۔ صرف اتنی بات سامنے تھی کہ اس سے امداد

باہمی اور ضرورت کے وقت کے لئے آمدنی میں سے بچت کے نکلتے ہیں۔ جس کے مفید اور محمود ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً حضرات ذیل

۱۔ مولانا محمد مسلم عثمانی فاضل دیوبند مرحوم

۲۔ شمس العلماء تاجور نجیب آبادی مرحوم

۳۔ مولانا عبدالقادر فاضل دیوبند

۴۔ مولانا ابو محمد یونس صاحب فاضل دیوبند مرحوم

۵۔ مولانا فیوض الرحمٰن صاحب مدرسہ نیلا گنبد لاہور

۶۔ مولانا سید محمد طلحہ صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور

ان سب حضرات نے اس کی تصریح پوری وضاحت سے فرمادی ہے کہ ہمیں بیمہ کے اصول و قواعد اور معاملات کی تفصیل معلوم نہیں صرف غریبوں کے لئے کچھ پس انداز کرنے کی اور حوادث کے وقت امداد باہمی کی ایک صورت سمجھ کر اس کے جواز کا حکم لکھ رہے ہیں۔

ایسی حالت میں ان کے قول کو بیمہ کے جواز کا فتویٰ قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ آمدنی سے کچھ پس انداز کرنا جو ضرورت کے وقت کام آسکے اور حوادث کیوقت مصیبت زدہ کی امداد اگر خلاف شرع امور سے خالی ہو تو اس کے جائز بلکہ پسندیدہ اور موجب ثواب ہونے کا کون انکار کرسکتا ہے

لیکن رسالہ ہذا میں پوری تشریح و تفسیر کے ساتھ یہ بات آپ کے سامنے آ چکی ہے کہ بیمہ کی مروجہ صورت میں سود بھی ہے اور قمار (جوا) بھی اور یہ دونوں چیزیں حرام ہیں۔ اگر انہیں حضرات سے وہ تمام تفصیلات جن کی رو سے بیمہ کا سود و قمار پر مشتمل ہونا واضح ہو جاتا ہے پیش کر کے سوال کیا جاتا تو یقین تھا کہ ان میں سے ایک بھی اس کے جواز کا فتویٰ نہ دیتا۔

دوسرے وہ حضرات ہیں جن کے فتاویٰ بیمہ زندگی کے حرام و ناجائز ہونے پر طبع شدہ مشہور و معروف ہیں اور ان کے جو فتاویٰ اس رسالہ میں جمع کئے گئے ہیں

ان کا کوئی ادنیٰ سا تعلق بھی بیمہ کے جواز سے نہیں ہے۔

مثلاً اکابر علماء دیوبند۔ مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب اور شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی شمس العلماء سید نجم الحسن صاحب لکھنوی۔

ان حضرات کے جو فتاویٰ اس رسالہ میں جمع کئے گئے ہیں ان سب کا حاصل اس کے سوا نہیں کہ دارالحرب میں غیر مسلم سے سود لینے کے جواز میں جو بعض فقہا نے گنجائش دی ہے بعض نے اس پر فتویٰ دیا ہے اور بعض نے یہ گنجائش بھی نہیں دی، البتہ جب ان کو یہ بتلایا گیا کہ مسلمان جو اپنی رقم کا سود انگریزی بینکوں میں چھوڑ دیتے ہیں تو حکومت اس کو عیسائی مشن کے ذریعہ نصرانیت کی تبلیغ میں خرچ کرتی ہے تو انہوں نے صرف یہ فتویٰ دیا کہ ایسی صورت میں سود کی حرام رقم کو بینک میں نہ چھوڑیں وہاں سے وصول کر کے غریبوں پر صدقہ کر دیں۔ مطبوعہ رسالہ جن لوگوں کے سامنے ہو وہ حرف بحرف اس کی تصدیق کریں گے کہ ان فتاویٰ میں صرف مسئلہ کی یہ نوعیت اسی حالت کے لئے بیان کی گئی ہے۔ جب کہ انسان دارالحرب میں رہتا ہو اور اہل حرب اس کے سود کی چھوڑی ہوئی رقم کو اسلام کے خلاف کاموں میں استعمال کرتے ہوں۔ ان مسائل کا پاکستان کی اسلامی حکومت سے کیا واسطہ، پاکستان دارالاسلام ہے، یہاں سود کی رقم نصرانیت کی تبلیغ پر خرچ کرنے کا کوئی امکان نہیں اس کے علاوہ یہ بتلائیے کہ اس مسئلہ کا بیمہ مروجہ کے جواز سے کونسا علاقہ ہے کہ رسالہ "بیمہ کی اہمیت" میں ان فتاویٰ کو نقل کرنے کے بعد رسالہ مذکورہ کے صفحہ ۲۲ میں ان بزرگوں پر یہ تہمت لگائی گئی ہے کہ انہوں نے بیمہ مروجہ کے جواز کے فتوے دیئے ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

مولانا کفایت اللہ صاحب سابق صدر جمیعۃ علماء ہند دہلی، اور مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دارالعلوم نے فتوے صادر فرمائے

ہیں کہ زندگی کا بیمہ کرانا اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں۔ یہ ایک قسم کی تجارت ہے۔ جو کہ فضول خرچیوں اور اسراف بے جا کے دباؤ سے بچانے کے لئے بہت مفید ہو سکتی ہے۔

کتنی بڑی جسارت ہے کہ ان اکابر علماء کی طرف بیمہ مروجہ کے جواز کے فتوے منسوب کر دیئے حالانکہ ان سب حضرات کے فتاوی جو عموماً شائع بھی ہو چکے ہیں۔ ان میں زندگی کے بیمہ مروجہ کو صراحۃً حرام کہا گیا ہے۔ اور شدت کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ ان میں سے بہت سے حضرات کے فتاوی شائع بھی ہو چکے ہیں۔

بیمہ کمپنی کے ذمہ دار

توجہ فرمائیں

پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان میں بیمہ کا کاروبار کرنے والے حضرات عموماً مسلمان ہیں خدا کے لئے اس چند روزہ کاروبار پر آخرت کو قربان نہ کریں۔ حرام معاملات پر حلال کا لیبل لگانے کے بجائے اس کی فکر کریں کہ امداد باہمی کی شرعی اور جائز صورت کو اختیار کریں جو رسالہ ہذا میں لکھ دی گئی ہے اور جو رقمیں لوگوں کی جمع ہوتی ہیں ان کو تجارت پر لگا کر سود کے بجائے تجارتی نفع تقسیم کریں، جو سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے اور پوری قوم کے لئے نفع بخش جائز و حلال معاملہ ہے اور اگر خدانخواستہ وہ خود حلال و حرام سے بے نیاز ہو کر چند روزہ مال و دولت کمانے کو اپنا مقصد بنا ہی چکے ہیں۔ تو کم از کم اکابر علماء، اور اہل فتویٰ پر اپنی رائے تھوپنے اور ان پر تہمت لگانے سے تو پرہیز کریں کہ یہ تحریف دین کا دوسرا گناہ ہے جس کی اس کاروبار میں کوئی ضرورت بھی نہیں۔

وہ اپنی اس ذمہ داری کو بھی محسوس کریں کہ ان بزرگوں کی طرف غلط فتووں کو منسوب کرنا اخلاقی کے علاوہ قانونی جرم بھی ہے۔ مسلمانوں کو آزمائش میں نہ ڈالیں کہ وہ اس معاملہ کو عدالت میں چیلنج کرنے پر مجبور ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو مال و دولت کی ایسی محبت سے بچائے جو ان کی آخرت کو برباد کرے۔ واللہ المستعان

محمد شفیع

بندہ ۔

خادم دار العلوم کراچی ۱۴

علم الفقہ
چھ حصے
کامل اُردو

از:۔ مولانا عبد الشکور لکھنوی ؒ

علم الفقہ میں فقہ کی تمام ضخیم اور مستند کتابوں کے تمام مضامین سہل اور آسان اردو میں منتقل کر دیئے گئے ہیں جنہیں عربی میں ہونیکی وجہ سے اردو داں طبقہ نہیں پڑھ سکتا تھا
علم الفقہ اسلامی احکام و مسائل کی ایسی مستند اور جامع کتاب ہے کہ لوگ اس کے بعد دوسروں سے مسائل پوچھنے کی زحمت سے بچ جائیں گے۔
علم الفقہ کا ہر مسلمان گھر میں ہونا ضروری ہے تاکہ ہر شخص روز مرہ پیش آنے والے مسائل کا حل خود تلاش کر سکے۔ اس کتاب کا مطالعہ سینکڑوں کتب سے بے نیاز کر دیگا
علم الفقہ کے متعلق ہندوپاک کے تمام علماء نے اس کی جامعیت و افادیت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ یہ کتاب چھ حصوں پر مشتمل ہے۔

علم فقہ اول میں پاکی ناپاکی غسل وضو کے مفصل مسائل اور احکام درج ہیں۔
علم فقہ دوم میں نمازوں یعنی فرض وسنن نوافل اور اذان کے احکام درج ہیں۔
علم فقہ سوم میں روزہ رمضان رویت ہلال اور اعتکاف کے جملہ احکام درج ہیں۔
علم فقہ چہارم میں زکوٰۃ وصدقات کے مسائل ہیں اور یہ کن لوگوں پر واجب ہے۔ اور اس کی شرائط کیا ہیں۔
علم فقہ پنجم میں حج کے تمام مسائل اور یہ کن لوگوں پر فرض ہے اور اس کے شرائط کیا ہیں
علم فقہ ششم میں معاشرت نکاح وطلاق خلع و مہر وغیرہ اور دوسرے وہ تمام مسائل جو روز مرہ پیش آتے ہیں۔ کتابت وطباعت اور صحت خصوصی توجہ سے کرائی گئی ہے۔

کاغذ سفید گلیز۔ کل صفحات ۷۷۶ سائز ۲۰ × ۲۶ / ۸

مجلد مع حسین سر ورق قیمت روپے

دارالاشاعت ۔ مقابل مولوی مسافر خانہ ۔ کراچی ۱

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی چند بہترین تصانیف

تفسیر معارف القرآن اُردو	۸ جلد
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کامل	۲ جلد
ختم نبوت کامل تین حصے	مجلد
اسلام کا نظام اراضی	مجلد
علمی کشکول	مجلد
مسئلہ سود	مجلد
آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام	
سیرت خاتم الانبیاء	مجلد
پراویڈنیٹ فنڈ پر سود کا مسئلہ	
شہید کربلاؓ	مجلد
ضبط ولادت	مجلد
روح تصوّف	
قرآن میں نظام زکوٰۃ	مجلد
اسلام کا نظام تقسیم دولت	
آداب المساجد	
بیمۂ زندگی اور انشورنس	مجلد
مصیبت کے بعد راحت و دافع الافلاس	مجلد
ذکراللہ اور فضائل درود و سلام مع رجوع الی اللہ	
احکام حج و عمرہ	
گناہ بے لذت	مجلد